وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَ

یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ متکبرین کو پسند نہیں کرتا

اُمّ الامراض

جدید ایڈیشن

ازافادات

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ

یعنی

تکبر کی مذمت، تکبر کی علامات اور اس کا علاج، مشائخ کے اقوال اور متقی حضرات کیلئے لمحۂ فکریہ

مرتبہ

محمد اقبال مدینہ منورہ

ناشر

مکتبۃ الشیخ

۳/۳۶۷ بہادر آباد کراچی ۱۸

نمبر	عنوان	نمبر صفحہ
۱۷	مکتوب حضرت مجدد صاحبؒ	۳۶
۱۸	تکبر کے درجات و مراتب	۳۸
۱۹	فصل دوم ۔ علاماتِ تکبر	۴۱
۲۰	تکبر کی بدترین خصوصیت	۴۱
۲۱	بعض قراء کی حالت ۔ امام غزالیؒ کا مضمون	۴۴
۲۲	قراء حضرات کا مقام اور فضیلت	۴۶
۲۳	ضروری تنبیہ	۵۳
۲۴	غیبت کرنے اور سننے کی اجازت کی صورتیں	۵۴
۲۵	فصل سوم ۔ علاج	۵۷
۲۶	تبلیغی جماعت کے ساتھ چلہ	۵۸
۲۷	تواضع پیدا کرنے کی چند دیگر تدابیر	۶۱
۲۸	متقی حضرات کے لئے لمحۂ فکریہ	۶۹
۲۹	اشکالات و جواب	۸۴
۳۰	حضرت شیخ الحدیث دام مجدہم کا ارشاد	۸۸
۳۱	سالکانِ راہِ حق کے بارے میں حضرت شاہ سید احمد شہیدؒ کے ملفوظات	۸۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضروری تمہید و مقصدِ تحریر

حامِدًا وَّ مُصَلِّیًا وَّ مُسَلِّمًا اما بعد قطبِ ربانی علامہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ :-

> "جاننا چاہیئے کہ بندہ کا اپنی حد سے تجاوز کرنے کا باعث یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صُورت پر پیدا کیا گیا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ تمام صفاتِ جلالیہ تکبّر، بزرگی، عزّت و عظمت، شوکت و جلالت سے موصوف ہے تو اس کی صورت (انسان) میں بھی یہ امور ظلّی طور پر سرایت کئے ہوئے ہیں۔" (انوارِ قدسیہ)

اس لئے ہر انسان شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی بڑائی پسند کرتا ہے اور جہالت کی وجہ سے اس کو اپنے لئے ثابت کرتا ہے، حالانکہ یہ صفات خاصۂ خداوندی ہیں اور بندہ کی صفات عجز و انکسار، تواضع و افتقار و احتیاج ہے جس کو وہ بھُولا ہوا ہے، لہٰذا ہر انسان کو اپنا علاج اور تزکیہ کرانے سے پہلے اپنے کو اس مرض تکبّر کا مریض سمجھنا چاہیئے، خصوصًا جو حضرات اسلام کے ظاہری احکام کی پُوری پابندی

کے بعد اللہ کی رضا اور قُرب کیلئے ایمان و یقین اور معرفت و احسان کے اعلیٰ مراتب حاصل کرنے کی کوشش میں ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے اعمال میں رُوح پیدا ہو اور وہ وزن دار بن جائیں اور حق تعالیٰ اُن کو اپنی معرفت بخشیں، وہ احباب اس بات کا یقین کرلیں کہ حق جلّ و اعلیٰ کی بارگاہ نہایت پاک اور ہر عیب سے غایت درجہ منزّہ ہے، اس لئے اس سے ملنے کا راستہ بھی پاکی اور پاکیزگی چاہتا ہے معصیتوں کی گندگیوں سے بھرا ہوا شخص اس بارگاہ کے لائق نہیں۔

اس راہ کا طریقہ اخلاق کا سَنوارنا، ہمیشہ خدا کی طرف لَو لگائے رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے۔ یعنی اس کا طریقہ تہذیبِ اخلاق ہے، کہ بخل، حسد، ریا، اور کبر، خود نمائی وغیرہ تمام اخلاقِ ذمیمہ دور ہو کر سخاوت اخلاص، تواضع، تذلّل، عاجزی جملہ اخلاق پسندیدہ حاصل ہو جائیں تاکہ وصول الی اللہ کی استعداد پیدا ہو، اس کے بغیر عبادت کی کثرت بھی زیادہ مفید نہیں ہوتی کیونکہ رذائل کی وجہ سے اعمال ضائع اور ناقص ہو جاتے ہیں۔ اور چونکہ یہ راستہ (سلوک و احسان) حقیقی سعادت اور بڑی کامیابی کا ہے اس لئے شیطان بھی اس راستہ پر چلنے والوں کی کوششوں کو بیکار کرنے میں پُوری محنت سے کام لیتا ہے اور اس کی تدبیر اس طرح کرتا ہے کہ باطنی اخلاق کی درستی جو ان کا اصل موضوع ہے اس کے خلاف رذائل اور بُری عادتوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس کے لئے نظام یہ بناتا ہے کہ ظاہری گناہوں سے تقویٰ و پرہیز اور عبادت کی کثرت میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا لیکن اندر ہی اندر اُمّ الامراض یعنی کبر کو بڑھاتا رہتا ہے، جس سے سب کیا کرایا ضائع ہو جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے راستہ میں ہمہ تن مشغول آدمی ایک عام دُنیا دار انسان کے درجہ سے بھی گر جاتا ہے اور وہ مہذب

ہونے کی بجائے باطنی رزائل کا مجموعہ بن جاتا ہے، کیونکہ مقصود تو بندگی تھی نہ کہ خدائی، اور بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنی عاجزی، ذلت، تواضع و گمنامی میں زیادہ سے زیادہ پختہ ہو۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ وہ کبر و عجب، حُبِّ جاہ اور شہرت پسندی میں پڑ جاتا ہے، اور ان رزالتوں میں عام دُنیا دار آدمی کو بھی مات کر دیتا ہے۔ کیونکہ ظاہری علم و عمل کے دھوکہ میں ڈال کر شیطان اسے ان امراض کا احساس ہی نہیں ہونے دیتا۔ اور جب کبھی معاشرت و معاملات میں اس کے چھپے ہوئے رزائل کا اظہار ہوتا ہے تو دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں کہ اتنے متقی بزرگ کی یہ حرکات! اسی لئے عام طور پر اولیاءاللہ کو دیکھا ہے کہ ان کو اس مرض والے متقی سے قلبی طور پر بہت بُعد ہوتا ہے۔ چاہے اُن کی ظاہر شرع کے مُطابق شکل و صورت کی بناء پر ان کا احترام بھی کرتے ہوں۔

لہٰذا جو سعادت مند حضرات وصول الی اللہ کی استعداد حاصل کرنے کے لئے اس راہِ سلوک و معرفت کو اختیار کریں اُن کے لئے تہذیبِ اخلاق ضروری ہوا۔ اس بارے میں امام ربانی **حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی** نور اللہ مرقدہٗ **کا ارشاد** ہے کہ "پہلے بزرگ اخلاقِ سیئہ کو چھڑانے کی محنتیں کیا کرتے تھے تاکہ یہ کام (وصول الی اللہ) آسان ہو جائے مگر متاخرین خصوصاً ہمارے سلسلہ کے بزرگوں نے یہ طریق پسند کیا کہ ذکر کی اس قدر کثرت کرے کہ یہ اخلاقِ ذمیمہ ذکر کے نیچے دب جائیں اور ذکر تمام باتوں پر غالب آجائے۔"

اخلاقِ سیئہ بہت سے ہیں۔ مگر اکثر نے دس میں محصور کر دیا ہے پھر دسوں کا خلاصہ تکبر کو بتایا ہے، اگر یہ دور ہو جائے تو باقی خود دور ہو جاتے ہیں۔ مثلاً

عجب کیا ہے؟ اپنے کمال کو خدا کی عطاء کے بجائے خود اپنا کمال سمجھنا۔ ریاء کا منشاء کیا ہے؟ لوگوں کی نظر میں اپنی بڑائی چاہنا۔ حُبِّ جاہ کیا ہے؟ لوگوں کی تسخیر اور اُن سے اپنی تعظیم کا چاہنا۔ حُبِّ مال کا منشاء بھی اپنی بڑائی کا سامان جمع کرنا ہوتا ہے۔ نفع کی باتیں بھی اکثر اپنی شان ہی کیلئے کی جاتی ہیں۔ اسی طرح غصہ کا منشاء بھی اکثر کبر ہی ہوتا ہے۔ اکثر غصہ میں کہتا ہے کہ تو جانتا نہیں میں کون ہوں، اسی لئے جب کسی سے اپنے کو چھوٹا سمجھتا ہو تو اُس پر غصہ نہیں ہوتا، اگر غصہ کا اظہار نہیں ہو سکتا اور بدلہ لینے کا موقع نہیں ملتا تو اس سے دِل میں بُغض اور حسد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح حرص، جھوٹ، بُخل، طمع، غیبت اور خوشامد وغیرہ سب کی وجہ کبر ہی ہوتی ہے۔ اس لئے اِس رسالہ میں اس اُمُّ الامراض کو جو کہ راہِ سلوک کا سب سے بڑا مانع اور سب سے بڑی چٹان ہے، اسی کو بیان کیا جائیگا۔

یہ ساری تحریر بزرگوں کی کتابوں سے مختصر طور پر نقل کی ہے۔ بڑی کتابوں کا مطالعہ کرنا تو دشواری سے خالی نہیں ہے اور اس کے برخلاف یہ رسالہ مختصر بھی ہے اور مضمون نہایت اہم اور ضروری بھی، اس لئے ممکن ہے کہ اختصار کے سبب اس کا مُطالعہ آسانی سے ہو سکے اور مرض کے احساس کے بعد اس کے علاج کی طرف متوجہ ہونا نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اِس احقر کو بھی اس مہلک بیماری سے نجات عطاء فرمائے کہ بندہ خود اس بیماری میں دوسرے عزیزوں دوستوں سے زیادہ گرفتار ہے اور یہ رسالہ لکھنے کا اوّل مقصد اپنی اصلاح ہے اور دُعاء ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنی قدرتِ کاملہ اور رحمتِ واسعہ کے صدقہ میں اس کو اَوروں کیلئے بھی زیادہ سے زیادہ نافع بنائے وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

اس رسالہ میں پہلی فصل تکبّر کی مذمّت، دوسری فصل میں علاماتِ تکبّر
تیسری فصل میں تکبّر کا علاج اور ضروری تنبیہات، اور چوتھی فصل متقی حضرات
کے لئے لمحۂ فکریہ میں۔

اس ناکارہ کا یہ رسالہ "اُمّ الامراض" کے نام سے پہلے چھپ چکا ہے، اسی کو اب
کچھ اضافہ کے ساتھ دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

(فصلِ اوّل)

تکبّر کی مُذمّت

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ العالی "شریعت وطریقت" میں تحریر فرماتے ہیں کہ سارے معاصی میں تکبّر صرف میری نگاہ ہی میں نہیں بلکہ قرآن و حدیث کے ارشادات میں سخت ترین مرض ہے اور طریقت میں تو بہت ہی مہلک ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیاء العلوم" میں بہت اہمیت سے مستقل کتاب اس کے بارے میں ذکر فرمائی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ جلّ شانہٗ نے قرآن پاک میں کئی جگہ کبر کی مذمت بیان فرمائی ہے، اللہ جلّ شانہٗ کا ارشاد ہے:۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ	مَیں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دُنیا میں تکبّر کرتے ہیں جس کا اُن کو کوئی حق حاصل نہیں (سُورۂ اعراف رکوع ۱۷ بیان القرآن)

کیونکہ اپنے کو بڑا سمجھنا حق اُس کا ہے جو واقعہ میں بڑا ہے، وہ ایک خدا کی ذات ہے (بیان القرآن) دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ○	اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور و جابر کے پورے قلب پر مُہر کر دیتے ہیں (بیان القرآن)

اور ارشاد ہے :۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُتَكَبِّرِيْنَ ○	یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبّر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے (بیان القرآن)

اور ارشاد ہے :۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ○	اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھکو پُکارو میں تمہاری درخواست قبول کر لوں گا جو لوگ میری عبادت سے (جس میں دُعاء بھی داخل ہے) سرتابی ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنّم میں داخل ہونگے (بیان القرآن)

اور تکبّر کی مذمّت قرآن پاک میں بہت زیادہ آئی ہے۔ اور حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ "جنّت میں وہ داخل نہیں ہو گا جس کے قلب میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہو گا۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے، تو جو کوئی شخص ان دونوں چیزوں میں سے کسی میں مجھ سے جھگڑا کریگا تو اُس کو جہنّم میں ڈال دوں گا اور ذرا پرواہ نہیں کروں گا، اور ایک حدیث میں حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس کے قلب میں رائی کے دانے کے برابر بھی کبر ہو گا اللہ تعالیٰ اُس کو مُنہ کے بَل جہنّم میں ڈال دیگا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ آدمی اپنے نفس کو بڑھاتا رہتا ہے یہاں تک کہ جبارین میں لکھ دیا جاتا ہے اور جو عذاب اُن کو ہوتا ہے وہی اُس کو بھی ملتا ہے۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جہنم میں سے ایک گردن نکلے گی جس کے دو کان ہوں گے جن سے وہ سُنے گی، اور دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گی، اور ایک زبان ہو گی جس سے وہ بولے گی اور کہے گی کہ مَیں تین آدمیوں پر مسلط ہوں، ہر متکبر ضدی پر، اور ہر اُس شخص پر جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہو اور تصویر بنانے والے پر۔

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنّت اور دوزخ میں مناظرہ ہوا۔ جہنم نے کہا کہ مَیں ترجیح دی گئی ہوں متکبر اور جبّار لوگوں کے ساتھ، اور جنّت نے کہا کہ مَیں ایسے لوگوں کے ساتھ ترجیح دی گئی ہوں جو کمزور اور گرے پڑے اور بھولے بھالے ہوں گے۔

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتقال کے وقت اپنے دو صاحبزادوں کو بُلایا اور فرمایا کہ مَیں تمہیں دو چیزوں کا حکم کرتا ہوں اور دو چیزوں سے منع کرتا ہوں، شرک اور کبر سے (الحدیث)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ قیامت کے دن جبّارین اور متکبرین کو چیونٹیوں کے برابر کر دیا جائے گا۔ لوگ ان کو روندتے ہوئے جائیں گے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیاء العلوم" میں بہت سی روایات اور

آثارِ کبر کی بُرائی کے ذکر کئے ہیں۔ یہ مختصر رسالہ تو اُن کا احاطہ نہیں کر سکتا، ان میں سے چند بطور نمونہ لکھواتا ہوں:۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے (ارشاد الملوک صہ۱۱۲ میں اس کو مرفوعاً نقل کیا گیا ہے) کہ کسی مسلمان کو حقیر مت سمجھو کہ صغیر مسلمان بھی خدا کے نزدیک کبیر ہے۔

حضرت وہب رحؒ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جب جنّتِ عدن کو پیدا کیا تو اُس کی طرف توجہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ تو ہر متکبر پر حرام ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ اُس شخص کی طرف نگاہ بھی نہیں کرتے جو اپنی ازار (لُنگی وغیرہ) کو متکبرانہ گھسیٹتے ہیں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک شخص جب کہ اکڑ کر دوؔ چادریں پہنے چل رہا تھا کہ وہ اپنے آپ کو اُچھالنے لگا تو اللہ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔

اور حضرت مطرف بن عبداللہ نے دیکھا کہ مہلّب ریشمی جبّہ میں اکڑ کر چل رہا تھا، اُنہوں نے اُس سے کہا کہ اے اللہ کے بندے یہ چال (اکڑ کر چلنا) اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہے۔ تو مہلّب نے کہا کہ تو مجھ کو پہچانتا نہیں کہ کون ہوں؟ اُنہوں نے کہا کہ خوب پہچانتا ہوں۔ تیری ابتداء منی کا قطرہ تھی اور تیرا آخر مُردار ہو گا جس سے ہر شخص گھن کرے گا، اور تو اِن دونوں حالتوں کے درمیان میں اپنے پیٹ میں نجاست لئے پھرتا ہے۔ مہلّب اکڑ کی چال چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ جب بندہ تواضع اختیار

کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں بلند ہو۔ اور جب تکبر کرے اور اپنی حد سے بڑھے تو اللہ تعالیٰ اُس کو گراتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تو ذلیل ہو، پھر وہ اپنی نگاہ میں تو بڑا ہوتا ہے اور لوگوں کے نزدیک ذلیل ہوتا ہے، حتیٰ کہ لوگوں کی نگاہ میں سؤر سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسجد کے دروازہ پر یہ آواز دے کہ تم میں جو سب سے بُرا ہو وہ باہر نکل آئے تو خدا کی قسم مجھ سے کوئی آگے نہیں بڑھے گا۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو جب یہ مقولہ پہنچا تو فرمایا کہ اسی بات نے تو مالک کو مالک بنا رکھا ہے۔ (شریعت و طریقت)

تکبر کفر سے بھی اشدّ ہے اور قبولِ حق میں سب سے بڑا مانع ہے

تکبر ایک اعتبار سے کفر سے بھی اشدّ ہے، اس لئے کہ کفر بھی دراصل کبر ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ قرآنِ پاک کی کثیر آیات اس کی شاہد ہیں، مثلاً:۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝

متکبرین نے مؤمنین سے کہا کہ تم جس بات پر ایمان لاتے ہو ہم تو قطعاً اس کے مُنکر ہیں۔

ابلیس کو اسی تکبر نے کافر اور شیطان بنایا۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اُس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندانِ لعنت گرفتار کرد

اس بدترین خصلت کی وجہ سے انسان حق بات کے قبول کرنے سے محروم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اُس کے احکام کی معرفت سے قلب اندھا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط	میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دُنیا میں تکبّر کرتے ہیں جس کا اُن کو کوئی حق نہیں۔
كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ o	(یعنی) جتنے مغرور اور سرکش ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں پر اسی طرح مُہر لگا دیتا ہے

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کبر کُفر کا شعبہ ہے اور جن گناہوں کا تعلّق کِبر سے ہوتا ہے وہ **شیطانی گناہ** کہلاتے ہیں جن کی بڑائی حیوانی گناہوں سے بہت زیادہ ہے، اسی لئے الغیبۃ اشدّ من الزنا فرمایا گیا۔ ان شیطانی اور جاہی گناہوں سے توبہ کی توفیق بھی کم ہوتی ہے کیونکہ اُن کے بُرا ہونے پر التفات نہیں ہوتا۔ اور حیوانی گناہوں کی بُرائی بہت معروف وظاہر ہوتی ہے۔ خود گناہ کرنے والا اُس کو بُرا سمجھتا ہے، غفلت اور نفس کے غلبہ کی وجہ سے کر جاتا ہے لیکن دل سے شرمندہ ہوتا ہے اور ندامت ہی توبہ ہے، گویا توبہ کی بڑی شرط ندامت تو موجود ہی ہوتی ہے باقی شرائط یعنی گناہ سے الگ ہونا اور آئندہ کیلئے بچنے کا عزم کرنا وغیرہ شرائط پوری کرکے توبہ کرنا آسان ہوتا ہے۔

تکبّر کے دُنیوی نقصانات آخرت کے معاملہ میں بے یقینی، لاپروائی اور اس کے برعکس دنیا پر یقین اور اس کی عظمت اور محبت کی بنا پر ہم لوگوں کا عمل ایسا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم اُمورِ آخرت کا خدا الگ اور دُنیا کا خدا الگ مانتے

ہیں، مثلاً اُمورِ آخرت میں گناہوں سے بچنے اور نیکیاں حاصل کرنے کی پُوری کوشش اور تدابیر نہیں کرتے، بلکہ جھوٹے توکّل اور بخشش کی اُمید اور اللہ تعالیٰ کے غفور الرحیم ہونے کو کافی سمجھتے ہیں۔ مگر دُنیوی اُمور میں توکّل کے ساتھ پُوری کوشش اور تدابیر عمل میں لاتے ہیں۔ بغیر کوشش اور اسباب کے کامیابی کی اُمیدیں باندھنے کو حماقت سمجھتے ہیں۔ کسبِ حلال کو فرض کہتے ہیں۔ نقصان دِہ چیز استعمال کر کے نقصان سے بے خوف ہو کر اللہ تعالیٰ کو غفور الرحیم نہیں کہتے۔ ایسے آدمی پر ناراض ہو کر حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں :-

"تیرا کسب حلال کہنا کیا تیرا تو خون تک حلال ہے کہ تو شرک اور دھوکہ میں پڑا ہوا ہے۔ حالانکہ حق بات یہ ہے کہ خدا تو ایک ہی ہے اگر تکبر کرنے میں خدا کی ناراضگی ہے اور وہ متکبر کو جنّت میں داخل نہیں کرے گا تو دنیا میں متکبر کو عزت نہیں دیگا۔ دُنیا کی عزت بھی اسی کے دینے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ متکبر کو دُنیا میں بھی پست اور رسوا کرے گا۔"

حدیثِ پاک میں ہے من تواضع لله رفعه الله یعنی "جو اللہ تعالیٰ کیلئے تواضع اور عاجزی اختیار کریگا اللہ پاک اُسے بلند کر دیتے ہیں۔"

یہاں صرف آخرت میں بلند کرنے کا ذکر مقصود نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دُنیا و آخرت دونوں کی بلندی عطا فرما دیتے ہیں۔ تواضع کی ضد تکبر ہے اس لئے تکبر پر دُنیا اور آخرت دونوں کی ذلّت اور پستی ضروری ہے۔ چنانچہ متکبرین سے دُنیا میں ہر آدمی بغض رکھتا ہے، دل سے کوئی بھی عزت نہیں کرتا۔ اگر اس پر کوئی مصیبت آجائے تو لوگ بجائے ... کرنے کے اور خوش ہوتے ہیں۔

انفرادی اور اجتماعی نااتفاقی اور لڑائی جھگڑے کا باعث تکبر ہی ہوتا ہے، پھر اس سے غصہ اور حسد، حُبِ جاہ پیدا ہو جاتے ہیں جس سے سیکڑوں قسم کے دُنیوی نقصانات اُٹھانے پڑتے ہیں۔ اگر کوئی تواضع کو صرف دُنیا کے فوائد کے لئے اختیار کرے تو اس سے دُنیوی زندگی بھی نہایت شیریں و خوشگوار بن جاتی ہے۔ اور اگر حق تعالیٰ کی رضا اور آخرت کیلئے تواضع سے متّصف ہونا نصیب ہو جائے تو پھر دُنیا و آخرت دونوں ہی میں حقیقی راحت اور رفعت ہاتھ آجاتی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ انسان اپنی عزّت و جاہ کے لئے تکبّر والے اعمال کو کرتا ہے لیکن ان اعمال اور عادتوں میں اس بدترین خصلت کا پایا جانا اُسے قطعاً محسوس نہیں ہوتا، اور دوسرے حضرات اسے فوراً سمجھ لیتے ہیں۔ اس لئے اُن کی نظروں میں اور بھی ذلیل ہو جاتا ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ جب اس عیب کے سبب حق تعالیٰ شانہٗ اُس سے ناراض ہیں اور مخلوق کے دل انہیں کے قبضہ میں ہیں اِس لئے وہ لوگوں کو بھی اِس سے ناراض کر دیتے ہیں۔ اور سب کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔

تکبّر کی تعریف | اس کے معنیٰ ہیں کمال کی صفات میں اپنے آپ کو اَوروں سے بڑھ کر جاننا اور ساتھ ہی دوسروں کو حقیر و ذلیل بھی سمجھنا چنانچہ حدیثِ پاک میں کبر کی تعریف یوں ارشاد فرمائی گئی ہے:- "الکبر بطر الحق وغمط النّاس" یعنی کبر حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے[۱]۔

---

[۱] عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم قال لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر، فقال رجل ان الرجل یحب ان یکون ثوبہ حسنًا ونعلہ حسنۃ؟ قال ان اللہ جمیل یحب الجمال، الکبر بطر الحق وغمط الناس۔
(کذا فی "ریاض الصالحین")

تکبّر اور تواضع کے متعلق بزرگانِ دین کے اقوال اور اُن کی حکایات

حضرت جُنید بغدادیؒ کی حکایت حضرت جُنید بغدادی کے پاس ایک شخص بیس۲۰ سال رہا، ایک روز عرض کیا کہ اتنی مدت میں مجھے آپ سے کچھ حاصل نہ ہوا۔ وہ شخص اپنی قوم کا سردار اور برادری میں ممتاز تھا، آپ سمجھ گئے کہ اس کے دل میں بڑائی ہے۔ فرمایا اچھا ایک بات کرو، اخروٹوں کا ایک ٹوکرا بھر کر خانقاہ کے دروازہ پر بیٹھ جاؤ اور پکارو کہ جو شخص مجھے ایک جوتا مارے گا اُس کو ایک اخروٹ دوں گا، جو دو۲ مارے گا تو دو۲ دوں گا، اسی طرح زیادہ کرتے جاؤ۔ جب یہ کام کر چکو اور اخروٹ کا ٹوکرا خالی رہ جائے تو میرے پاس آؤ۔ اُس شخص نے کہا لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ، حضرت یہ کام تو مجھ سے ہرگز نہ ہوگا۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ یہ وہ مبارک کلمہ ہے کہ اگر ستّر برس کا کافر اس کو ایک مرتبہ صدق دل سے پڑھ دے تو واللّٰہ مؤمن ہو جائے مگر تو اس وقت اس کے پڑھنے سے کافرِ طریقت ہو گیا، جا نکل جا تجھے مجھ سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ دوسرے کسی بزرگ کا نام لیکر فرمایا کہ اُن کے پاس ایک شخص مدّتوں رہا اور پھر شکایت کی کہ قلب کی حالت درست نہ ہوئی، شیخ نے فرمایا کہ میاں درستی سے تمہارا کیا مقصود ہے؟ اُس شخص نے جواب دیا کہ حضرت جو نعمت آپ سے ملیگی آپ سے لیکر دوسروں کو پہنچاؤں گا۔ شیخ نے فرمایا بس اس نیت ہی کی تو ساری خرابی ہے کہ پہلے ہی پیر بننے کی ٹھان رکھی ہے۔ اس بیہودہ خیال

کوجی سے نکالدو اور یوں خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں طرح طرح کی نعمتیں دی ہیں اُن کا شکر اور بندگی ہم پر فرض ہے پس اس اُمید پر جو لوگ ذکر و شغل کرتے اور نماز پڑھتے ہیں کہ ہمیں اس کا نفع ملے، یہ اُن کی حماقت ہے، اُن کی نیت میں فساد ہے۔ کیسا نفع ؟ کہاں کا اَجر ؟ یہ ہستی، یہ جسم، یہ آنکھیں، یہ ناک، یہ کان، یہ زبان یہ حواس حق تعالیٰ نے ہمیں دے رکھے ہیں، پہلے ان کے شکریہ سے تو فراغت ہولے تو دوسرے نفع اور اجر کی توقع کریں۔ (تذکرۃ الرشید ص ۱۳/۲۸)

اکمال الشیم ص ۹۵ میں لکھا ہے کہ جس نے اپنے لئے تواضع کو ثابت کیا وہ بے شبہ متکبر ہے کیونکہ تواضع کا دعویٰ تو اپنی رفعتِ قدر کے مشاہدہ کے بعد ہوگا۔ پھر جب تواضع کا اپنے لئے دعویٰ کیا گیا تو گویا اپنے مرتبہ کی بلندی کا مشاہدہ کیا تو تو متکبر ہوا۔

خلاصہ یہ کہ تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی پستی اور خواری اپنی نظر میں اس درجہ ہو کہ اپنی رفعتِ شان یا کسی منصب و جاہ کا وسوسہ تک بھی نہ ہو۔ سر سے پا تک اپنے آپ کو خوار و ذلیل دیکھے۔ اور جس کا یہ حال ہوگا وہ کبھی دعوےٰ کسی بات کا نہ کرے گا، نہ تواضع کا اور نہ کسی صفتِ محمودہ کا۔ اس لئے کہ دعوےٰ جب کبھی ہوتا ہے وہ اپنی رفعت کے مشاہدہ سے ہوتا ہے۔ حقیقت میں متواضع وہ نہیں ہے کہ جب کوئی تواضع کرے تو اپنے آپ کو اس سے کمتر اور پست خیال کرے عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص عجز و انکساری اور تواضع کا کام کرے وہ متواضع ہے، جیسے کوئی امیر آدمی اپنے ہاتھ سے کسی غریب کی خدمت کرے تو اس کو کہتے ہیں کہ بیچارے بڑے منکسر مزاج ہیں حالانکہ بعض مرتبہ اس شخص کے اندر تواضع شمہ برابر بھی نہیں ہوتی۔ اس لئے شیخ رحمۃ اللہ علیہ متواضع اور غیر متواضع کی حقیقت

بیان کرتے ہیں کہ متواضع درحقیقت وہ نہیں ہے کہ جب وہ کوئی تواضع کا کام کرے تو اپنے آپ کو یہ سمجھے کہ مَیں اس کام سے بلند اور بالاتر ہوں۔ مثلاً کرسی چھوڑ کر فرش پر بیٹھ گیا تو فرش پر بیٹھنے کو اپنی قدر و منزلت سے پست سمجھے اور اپنے مرتبہ کو بلند جانے اور یہ خیال کرے کہ مَیں تو لائق اسی کے تھا کہ کرسی پر بیٹھوں لیکن یہ میں نے تواضع اختیار کی ہے اور بہت اچھا کام کیا تو یہ شخص متکبر ہے کہ اس کے دل میں قدر و منزلت ہے، بلکہ متواضع وہ ہے کہ تواضع کا کام کر کے اس کام سے اپنے آپ کو پست اور ذلیل جانے۔ مثلاً فرش پر بیٹھے اور یہ جانے کہ میں تو ایسا خوار ہوں کہ اس فرش پر بھی بیٹھنے کی لیاقت نہیں رکھتا، خالی زمین پر بیٹھنے کے لائق ہوں۔ یا کسی غریب کی خدمت کی اور قلب کی یہ کیفیت ہو کہ اس غریب کی خدمت قبول کر لینے کو اپنا فخر سمجھے اور اپنے آپ کو اس کا اہل نہ جانے۔

ارشادات حضرت شیخ الحدیث | حضرت شیخ الحدیث صاحب زادمجدہٗ فرماتے ہیں کہ کِبر کا مسئلہ شریعت میں بہت سخت ہے اور طریقت میں اس سے بھی زیادہ۔ اکابر کا معمول ہمیشہ دیکھا اور خوب دیکھا کہ جس کو اثناء سلوک میں خلافت کا خیال بھی آجاتا تھا وہ حضرات اس کو باوجود حصول نسبت کے خلافت دینے میں بہت پس و پیش کرتے تھے اور خلافت ملجانے کے بعد بھی کِبر کے آثار شروع ہونے پر اگر تنبیہ سے کام چل جاتا تو خیر ورنہ اجازت کو منسوخ کر دیتے تھے۔ میں نے اکابر کے بعض خلفاء کو جو کہ بہت ذاکر و شاغل تھے اِس کِبر کی وجہ سے گرتے ہوئے دیکھا ہے خلافت کے بعد اس سے بچنے کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ اگر شیخ کی طرف سے خلافت منسوخ بھی نہ کی جائے تو سلسلہ نہیں چلتا اور اُن کے مُریدین بہت کم کامیاب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے بھی اس مہلک مرض سے نجات عطاء فرمائے، اور میرے

دوستوں کو خاص طور سے اور جملہ سالکین کو محض اپنے فضل سے بہت ہی محفوظ رکھے بہت ہی خطرناک معاملہ ہے۔

کبر کا معاملہ تو بڑا ہے مگر اس سے بھی بہت ہلکی چیز عُجب ہے وہ بھی نہایت قابلِ احتراز ہے کیونکہ اس کے نتائج بھی بسا اوقات ناقابلِ برداشت ہوجاتے ہیں چنانچہ اسی عُجب کی بدولت غزوۂ حنین میں حضور سید الکونین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تشریف فرما ہونے کے باوجود صحابۂ کرامؓ کو سخت پریشانی اُٹھانی پڑی۔ سورۂ توبہ میں آدھے پارہ کے قریب تیسرے رکوع میں یہ قصہ مفصّل مذکور ہے اور بیان القرآن میں مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور حنین کے دن بھی جس کا قصہ عجیب و غریب ہے تم کو غلبہ دیا جبکہ یہ واقعہ ہوا تھا کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرّا ہوگیا تھا، پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور کفّار کے تیر برسانے سے ایسی پریشانی ہوئی کہ تم پر زمین باوجود اپنی اس فراخی کے تنگی کرنے لگی، پھر آخر تم پیٹھ دیکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کے قلب پر اور دوسرے مؤمنین کے قلوب پر اپنی طرف سے تسلّی نازل فرمائی اور مُرتدین کی لڑائی میں حضرت خالد بن ولیدؓ کا ارشاد کہ مصیبت گویائی کے ساتھ وابستہ ہے۔ مرتدین کی لڑائی میں اوّل طلیحہ کذّاب سے معرکہ ہوا جس میں بہت سے لوگ بھاگ گئے، کچھ مارے گئے۔ خود طلیحہ بھی بھاگ گیا، اس سے مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ اس کے بعد مسیلمہ کی جماعت سے لڑائی ہوئی جس میں بہت سخت مقابلہ ہوا، ہزاروں آدمی اس جماعت کے قتل ہوئے اور مسلمانوں کی بھی بڑی جماعت شہید ہوئی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ ان معرکوں کے سپہ سالار تھے، فرماتے ہیں کہ جب ہم طلیحہ سے فارغ ہوگئے اور اُس کی شوکت کچھ زیادہ نہ تھی تو میری زبان سے ایک کلمہ نکل گیا اور مصیبت گویائی

کے سَاتھ وابستہ ہے (مَیں نے کہدیا تھا) بنی حنیفہ ہیں ہی کیا چیز، یہ بھی ایسے ہی ہیں جیسے لوگوں سے ہم نمٹ چکے ہیں (یعنی طلیحہ کی جماعت) مگر جب ہم اس کی جماعت سے بھڑے تو ہم نے دیکھا کہ وہ کسی کے مشابہ نہیں ہیں۔ طلوع آفتاب سے لے کر عصر کے وقت تک وہ برابر مقابلہ کرتے رہے۔ حضرت خالد خود اقرار کرتے ہیں کہ ایک جملہ زبان سے نکل گیا تھا جس کی وجہ سے اتنے سخت مقابلہ کی نوبت آئی۔ اسی وجہ سے حضرات خلفائے راشدین جب کسی فوج وغیرہ کو کامیابی کی مبارکباد دیتے تھے تو بڑی تاکید اس کی فرماتے تھے کہ عُجب پیدا نہ ہو۔ اعتدال صـــ۱۲۱ پر اس کے بہت سے قصّے لکھے ہیں۔

عجز وانکساری اس کے بالمقابل عجز وانکساری اللہ تعالیٰ کو بہت پسندیدہ اور محبوب ہے جو ہمیشہ انبیاء علیہم السّلام واولیاء عظام کا شعار رہا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو سَر مبارک جُھکا ہوا تھا، سراپا عجز وانکسار تھے، ایک ایک ادا سے تواضع اور عفو کا ظہور ہو رہا تھا، حالانکہ یہ اس وقت کے سب سے بڑے دشمن کے مقابلہ میں سب سے بڑی فتح تھی۔ اسی کا ثمرہ تھا کہ سرکش اور حد درجہ معاند مطیع ومنقاد ہوتے چلے گئے۔ اور اُن کو یقین ہو گیا کہ پروردگارِ عالَم کی طرف سے رسُولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سَراپا شفقت ورحمت ہیں اور بہت بڑی دولت ونعمت (ایمان) ہم کو عطا فرما رہے ہیں اور یہ کہ یہ اقتدار اور مُلک گیری کی جنگ نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کا طبعی مذاق اسیرِ مالٹا صـــ۱۵۹ میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کا طبعی مذاق تھا کہ وہ غرباء اور معمولی آدمیوں میں رہنا پسند فرماتے تھے اور اپنی عادت، لباس، چال، مُعاملات وغیرہ اس قسم کا رکھنا چاہتے تھے۔ اہلِ دُنیا

اور اُمراء اور تکلف والوں سے گھبراتے تھے۔ طالب علموں سے بے حد اُنس تھا۔ ریل میں تیسرے درجہ میں سفر کرنا پسند فرماتے تھے مگر باین ہمہ طبیعت میں صفائی بھی بہت زیادہ تھی، سفر میں عموماً کافور ساتھ رکھتے تھے، کیونکہ بہت سے میلے کچیلے آدمیوں کی بدبو سے سخت تکلیف ہوتی تھی۔ عطر اور وہ بھی گلاب کا نہایت ہی مرغوب تھا۔ سادگی اور سادہ لوگوں سے میل ملاپ اور ان سے مجالست نہایت زیادہ محبوب تھی۔ اپنے آپ کو بنانا، وضعداری، تکلف سے طبعی نفرت تھی۔

حضرت نانوتویؒ کا مقولہؒ بارہا حضرت مولانا نانوتویؒ کا مقولہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ عوام النّاس کا بیت الخلاء (قضائے حاجت کی جگہ) بھی برکت والا ہے یعنی وہ پاخانے جو خواص اور اُمراء کے لئے بنائے جاتے ہیں اگرچہ وہ صاف ستھرے اور بدبو سے منزّہ بہت زیادہ ہوتے ہیں مگر ان میں نحوست اور خرابی ہوتی ہے بخلاف عوام کے پاخانوں کے حقیقت یہ ہے کہ نفس کو اپنی تعلّی مرغوب ہے اور وہ اپنی رفعت اور بڑائی کا از حد خواہاں ہے اور یہی تمام برائیوں اور دنیا و آخرت کی رُوسیاہی کی جڑ ہے، اس لئے اہل اللہ اور کاملین حضرات جن اُمور میں تھوڑی سی بھی نفس کی تعلّی اور اس کا تفوّق محسوس کرتے ہیں، اس کو بُرائی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جس میں کسرِ نفسی اور ذلّت ظاہری نظر آتی ہے اس کو محبوب رکھتے ہیں، ظاہری بدبو اور کثافتِ مادی معنوی بدبو اور کثافتِ رُوحانی کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں اور نہ کوئی حیثیت رکھتی ہے۔ اُمراء کا بیت الخلاء نفس میں عُجب اور رعونت پیدا کرتا ہے اور عوام النّاس کا بیت الخلاء یہ چیز پیدا نہیں کرتا۔ بلکہ برخلاف اس کے تواضع اور نفس کی حقارت دکھلاتا ہے اور انسانوں کو قدرے اپنی حالت اور نجاست کو بھی یاد دلاتا ہے۔ جب پاخانہ کی یہ حالت ہے تو دوسرے

اوضاع اطوار، مکانات، البسہ وغیرہ کو اسی پر قیاس فرمالیجئے۔

فقہاء نے حوض سے وضو کرنے کو افضل لکھا ہے فرماتے تھے کہ فقہاء نے حوض سے وضو کرنے کو افضل لکھا ہے۔ شراح فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ کا خلاف اور اُن کی دل شکنی کی جائے، مگر کہیں منقول نہیں کہ معتزلہ نے حوض سے وضو کرنے پر کسی قسم کا انکار کیا ہو۔ میری سمجھ میں تو آتا ہے کہ نفس کی اصلاح اس میں بہت زیادہ ہوتی ہے اور اس پر نہایت شاق بھی گذرتا ہے، کیونکہ ایک ہی جگہ سے ایک شخص نے پاؤں دھویا ہے، دوسرا آتا ہے اور اُس پانی کو مُنھ اور ناک میں ڈالتا اور اس سے چہرہ کو دھوتا ہے، اس لئے نفس امّارہ والے اور بڑے بڑے دُنیادار اس سے وضوء کرنے میں اپنی ہتک اور بے عزتی سمجھیں گے غالباً حوض میں وضوء کرنا اسی بناء پر نہایت افضل ہے۔ واقعیت تو یہ ہے کہ یہ دونوں استاذ شاگرد (یعنی حضرت مولانا نانوتوی قدس اللہ سرہٗ اور حضرت مولانا شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ اس بات کی تلاش میں رہتے تھے کہ کس بات میں فروتنی نفس کشی خمول، تواضع انکساری ہوتی ہے اس کے لئے نہایت کوشاں ہوتے تھے۔ اور جس چیز میں رعونت، جاہ طلبی، نفس پرستی، شہرت، تعلّی، خودداری ہوتی تھی اُس سے کوسوں دُور بھاگنے کی فکر کرتے تھے، پھر بھی یہ نہ تھا کہ عام قاعدہ کے موافق زبانی اور ظاہری جمع خرچ ہو، یوں تو ہم سبھوں کی حالت ہے کہ اپنے آپ کو کمترین خلائق، سگِ دُنیا ذرّۂ بے مقدار، نابکار، ننگِ خلائق وغیرہ کہتے رہتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں، مگر یہ سب کارروائی عامۃً منافقانہ اور ریاء کاری کی بناء پر ہوتی ہے قلب میں اس کا ذرا بھی اثر نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس یہی خیال دل میں جاگزیں ہوتا ہے کہ "ہم چو من دیگرے نیست" اور اسی وجہ سے دوسروں کی عیب جوئی، اُن

کی نکتہ چینی، غیبت وغیرہ ہوتی رہتی ہے۔ کسی اپنے معاصر کی بلکہ بسا اوقات اپنے سے پہلوں کی کوئی بھلائی سُن لیتے ہیں تو بدن میں آگ سی لگ جاتی ہے اور طرح طرح سے اس میں عیب نکالے جاتے ہیں۔ کوشش کی جاتی ہے کہ یہ شخص لوگوں کی نظروں سے ساقط ہو جائے۔ اگر کوئی ہم کو جاہل، نالائق، احمق، گدھا، کُتا سُور وغیرہ کہہ دیتا ہے تو آگ بگولا ہو جاتے ہیں۔ ہم کمترین خلائق کہنے میں سچّے تھے تو گدھا کُتا وغیرہ کہنے سے کیوں بُرا مانتے ہیں؟ آخر خلائق میں سے تو وہ بھی ہیں فقط۔

حضرت شیخ زاد مجدہٗ فرماتے ہیں کہ تکبّر ام الامراض ہے اور بڑے سے بڑے کو بھی گرا دیتا ہے۔ بہت سے مشائخ سلوک کو بھی اس مہلک مرض کی وجہ سے گرتے ہوئے دیکھا۔

شیخ ابو عبداللہ اندلسی کا واقعہ

اور شیخ ابو عبداللہ اندلسی کا واقعہ میرے دل میں ایسا جما ہوا ہے اور چُبھا ہوا ہے کہ اکثر بے اختیار زبان قلم پر آجاتا ہے۔ میں سالکین اور تصوف سے ذرا سا تعلق رکھنے والوں کے متعلق بھی یہ چاہتا ہوں کہ ہر ایک کے دل میں اُترا ہوا ہو۔

شیخ ابو عبداللہ مشہور شیخ المشائخ اندلس کے اکابر اولیاء اللہ میں ہیں۔ ہزاروں خانقاہیں ان کے دم سے آباد، ہزاروں مدارس ان کے فیوض سے جاری، ہزاروں شاگرد، ہزاروں مریدین۔ آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ ایک دفعہ بارادۂ سفر تشریف لے گئے۔ ہزاروں مشائخ و علماء ہمرکاب ہیں جن میں حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت شبلیؒ بھی ہیں۔ حضرت شبلیؒ کا بیان ہے کہ ہمارا قافلہ نہایت ہی خیرات و برکات کے ساتھ چل رہا تھا کہ عیسائیوں کی ایک بستی پر گذر ہوا۔ نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا، بستی میں پانی

نہ ملا، بستی سے باہر ایک کنوئیں پر چند لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں۔ حضرت شیخ کی نگاہ ایک لڑکی پر پڑی۔ حضرت کی نگاہ اُس پر پڑتے ہی تغیر ہونے لگا۔ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ اس کی گفتگو کے بعد سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ تین دن کامل گذر گئے کہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ کسی سے بات کرتے ہیں۔ حضرت شبلی کہتے ہیں کہ سب خدام پریشان حال تھے۔ تیسرے دن میں نے جرأت کر کے عرض کیا یا شیخ! آپکے ہزاروں مریدین آپ کی اِس حالت سے پریشان ہیں۔ شیخ نے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "میرے عزیزو! مَیں اپنی حالت تم سے کب تک چھپاؤں، پرسوں میں نے جس لڑکی کو دیکھا ہے اُس کی محبت مجھ پر اتنی غالب آچکی ہے کہ تمام اعضاء و جوارح پر اسی کا تسلّط ہے۔ اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو میں چھوڑ دوں۔"

حضرت شبلیؒ نے فرمایا کہ "اے میرے سردار! آپ اہلِ عراق کے پیر و مرشد علم و فضل زہد و عبادت میں شہرۂ آفاق ہیں، آپکے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے، بطفیلِ قرآنِ عزیز ہمیں اور ان سب کو رُسوا نہ کیجئے۔"

شیخ نے فرمایا "میرے عزیز میرا تمہارا نصیب، تقدیر خداوندی ہو چکی ہے مجھ سے ولایت کا لباس سلب کر لیا گیا ہے اور ہدایت کی علامات اُٹھالی گئیں۔" یہ کہہ کر رونا شروع کیا اور کہا "اے میری قوم! قضا و قدر نافذ ہو چکی ہے اب کام میرے بس کا نہیں۔"

حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس عجیب واقعہ پر سخت تعجب ہوا اور حسرت سے رونا شروع کیا۔ شیخ بھی ہمارے ساتھ رو رہے تھے، یہاں تک کہ زمین آنسوؤں سے اُمنڈ آنے والے سیلاب سے تر ہو گئی۔ اس کے بعد ہم مجبور ہو کر اپنے وطن بغداد کی طرف لوٹے۔ جب ہم نے واپس آکر یہ واقعات سُنائے تو شیخ کے مریدین میں کہرام

بچ گیا، چند آدمی تو اسی وقت غم و حسرت میں عالمِ آخرت کو سدھار گئے اور باقی لوگ گڑگڑا کر خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں دُعائیں کرنے لگے کہ اے مقلّب القلوب شیخ کو ہدایت کر اور پھر اپنے مرتبہ پر لوٹا دے۔ اس کے بعد تمام خانقاہیں بند ہو گئیں اور ہم ایک سال تک اسی حسرت و افسوس میں شیخ کے فراق میں لوٹتے رہے۔ ایک سال کے بعد جب مریدوں نے ارادہ کیا کہ چل کر شیخ کی خبر لیں کہ کس حال میں ہیں تو ہماری ایک جماعت نے سفر کیا، اُس گاؤں میں پہنچکر لوگوں سے شیخ کا حال دریافت کیا تو گاؤں والوں نے بتایا کہ وہ جنگل میں سؤر چرا رہا ہے۔ ہم نے کہا خدا کی پناہ یہ کیا ہوا؟ گاؤں والوں نے بتایا کہ اُس نے سردار کی لڑکی سے منگنی کی تھی اُس کے باپ نے اِس شرط پر منظور کر لیا اور وہ جنگل میں سؤر چرانے کی خدمت پر مامور ہے۔ ہم یہ سُن کر ششدر رہ گئے اور غم سے کلیجے پھٹنے لگے، آنکھوں سے بیساختہ آنسوؤں کا طوفان اُمنڈنے لگا۔ بمشکل دل تھام کر اُس جنگل میں پہنچے جس میں وہ سؤر چرا رہے تھے۔ دیکھا تو شیخ کے سر پر نصاریٰ کی ٹوپی اور کمر میں زنّار بندھا ہوا ہے اور اُس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے خنزیروں کے سامنے کھڑے ہیں جس سے وعظ اور خطبہ کے وقت سہارا لیا کرتے تھے، جس نے ہمارے زخموں پر نمکپاشی کا کام کیا۔ شیخ نے ہمیں اپنی طرف آتے دیکھ کر سر جھکا لیا۔ ہم نے قریب پہنچکر السلام علیکم کہا۔ شیخ نے کسی قدر دبی آواز سے وعلیکم السلام کہا۔ حضرت شبلی نے عرض کیا کہ "اے شیخ! اس علم و فضل اور حدیث و تفسیر کے ہوتے ہوئے آج تمہارا کیا حال ہے؟"

شیخ نے فرمایا "میرے بھائیو! میں اپنے اختیار میں نہیں، میرے مولیٰ نے مجھے جیسا چاہا ویسا کر دیا اور اس قدر مقرّب بنانے کے بعد جب چاہا کہ مجھے

اپنے دروازہ سے دور پھینک دے تو پھر اس کی قضا کو کون ٹالنے والا ہے۔ اے عزیزو! خدائے بے نیاز کے قہر و غضب سے ڈرو، اپنے علم و فضل پر مغرور نہ ہو۔" اس کے بعد آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر کہا کہ "اے میرے مولیٰ! میرا گمان تو تیرے بارے میں ایسا نہ تھا کہ تو مجھ کو ذلیل و خوار کر کے اپنے دروازہ سے نکال دیگا۔" یہ کہکر خدا تعالیٰ سے استغاثہ کرنا اور رونا شروع کر دیا اور فرمایا "اے شبلی! اپنے غیر کو دیکھکر عبرت حاصل کر۔"

شبلی نے روتے ہوئے عرض کیا "اے ہمارے پرور دگار ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں اور تجھ ہی سے استغاثہ کرتے ہیں اور ہر کام میں ہم کو تیرا ہی بھروسہ ہے۔ ہم سے یہ مصیبت دور کر دے کہ تیرے سوا کوئی دفعہ کرنے والا نہیں۔"

خنزیر ان کا رونا اور ان کی دردناک آواز سنتے ہی ان کے پاس جمع ہو گئے اور اُنھوں نے بھی رونا اور چلّانا شروع کر دیا۔ ادھر شیخ بھی زار زار رو رہے تھے۔ حضرت شبلی نے عرض کیا کہ "شیخ آپ حافظِ قرآن تھے اور قرآن کو ساتوں قرأتوں سے پڑھا کرتے تھے، اب بھی کوئی اس کی آیت یاد ہے؟"

شیخ نے کہا "اے عزیز! مجھے قرآن میں دو آیت کے سوا کچھ یاد نہیں رہا۔ ایک تو یہ ہے: ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم ان اللہ یفعل مایشآء (جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے اُس کو کوئی عزت دینے والا نہیں، بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے) اور دوسری یہ ہے:۔ ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سوآء السبیل (جس نے ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کیا تحقیق وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوگیا)۔"

حضرت شبلی نے عرض کیا اے شیخ! آپ کو تیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے

برزبان یاد تھیں، اب ان میں سے بھی کوئی یاد ہے؟"
شیخ نے کہا "صرف ایک حدیث یاد ہے، یعنی من بدل دینہ فاقتلوہ" (جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اُس کو قتل کر ڈالو)۔
حضرت شبلی فرماتے ہیں ہم نے یہ حال دیکھکر شیخ کو وہیں چھوڑ کر بغداد کا قصد کیا۔ ابھی تین منزل طے کرنے پائے تھے کہ تیسرے روز اچانک شیخ کو اپنے آگے دیکھا کہ ایک نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور بآواز بلند شہادتین اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھتے جاتے ہیں۔ اُس وقت ہماری مسرت کا اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اس سے پہلے ہماری مصیبت کا اندازہ ہو۔ بعد میں شیخ سے ہم نے پوچھا کہ کیا آپ کے اس ابتلا کا کوئی سبب تھا؟ تو شیخ نے فرمایا "ہاں، جب ہم گاؤں میں اُترے اور بُت خانوں اور گرجا گھروں پر ہمارا گذر ہوا۔ آتش پرستوں اور صلیب پرستوں کو غیر اللّٰہ کی عبادت میں مشغول دیکھکر میرے دل میں تکبّر اور بڑائی پیدا ہوئی کہ ہم مومن موحّد ہیں اور یہ کمبخت کیسے جاہل و احمق ہیں کہ بے حس و بے شعور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں مجھے اُسی وقت ایک غیبی آواز دی گئی کہ یہ ایمان و توحید کچھ تمہارا ذاتی کمال نہیں کہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے، کیا تم اپنے ایمان کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہو؟ اور اگر تم چاہو تو ہم تمہیں ابھی بتلادیں۔ اور مجھے اسی وقت یہ احساس ہوا کہ گویا ایک پرندہ میرے قلب سے نکل کر اُڑ گیا جو درحقیقت ایمان تھا۔" فقط۔
مجھے اِس سارے قِصّہ میں اخیر کا یہ مضمون لکھوانا تھا ورنہ اصل واقعہ تو آپ بیتی میں مفصل آچکا ہے اور صوفی اقبال صاحب نے اسی سے "اکابر کے سلوک" میں نقل کیا ہے اور حکیم الیاس نے اس واقعہ کو "شیخ اندلس کا ایک عجیب و

عبرتناک واقعہ" کے نام سے مستقل رسالہ کی صورت میں بھی شائع کیا ہے۔ یہ تکبر ایسی بُری بَلا ہے کہ شیخ المشائخ تک کو بھی کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی محض اپنے فضل وکرم سے اس مصیبتِ عظمیٰ سے بچائے، آمین۔

ایک کیمیا گر کا واقعہ حضرت شیخ الحدیث صاحب زاد مجدہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک عجیب قصہ بڑی عبرت کا مَیں نے اپنے والد صاحب سے کئی مرتبہ سُنا۔ ایک بادشاہ تھا اُس کو کیمیا کی دھت تھی اور یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ جس کو کیمیا کا مرض پڑ جاتا ہے اُس کی عقل وہوش شطرنج کے کھلاڑیوں سے بھی زیادہ کھو جاتی ہے۔ مَیں نے اپنے کئی دوستوں کو دیکھا جن کو اس کا چسکہ تھا جب اُن کا راستہ میں کہیں ساتھ ہو جاتا وہ قدموں پر نگاہ جمائے کبھی اِدھر کبھی اُدھر دیکھتے جایا کرتے، اور جہاں کہیں شبہ ہو جاتا وہاں کھڑے ہو کر اور بُوٹیوں کو مَل مَل کر سُونگھتے تھے۔ بادشاہ بھی اسی فکر میں ہر وقت رہتا، وزراء کا ناطقہ بند رکھتا۔ ایک وزیر نے کہا کہ حضور اتنے متفکر رہتے ہیں حضور کی سلطنت میں تو فلاں سقہ جو فلاں جگہ رہتا ہے بڑا ماہر ہے، اسے خوب بنانی آتی ہے۔ بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی، کہنے لگا ہماری سلطنت میں اس کا جاننے والا ہے اور ہم اتنے پریشان ہو رہے ہیں۔ چار سنتری بھیج دیئے کہ اس سقہ کو پکڑ لاؤ۔ سقہ پیش ہوا۔ کپڑے پھٹے ہوئے، لنگوٹ بندھا ہوا، بدن پر بجائے کرتے کے ایک گاڑھے کی گمری بہت پھٹی ہوئی۔ بادشاہ کو اُس کی صورت دیکھتے ہی اوّل تو بہت نفرت ہوئی۔ اُس سے پُوچھا کہ تجھے کیمیا آتی ہے؟ اُس نے ہاتھ جوڑ کے کہا حضور تو بادشاہ سلامت ہیں، سمجھدار ہیں، دُنیا کے حاکم ہیں اگر مجھے کیمیا آتی تو میرا یہ حال ہوتا جو حضور دیکھ رہے ہیں؟ میں بھی کوئی

محل ایسا ہی بناتا جیسا حضور کا ہے ۔ بات معقول تھی ، بادشاہ کی بھی سمجھ میں آگئی چھوڑ دیا اور اُس وزیر کو بُلا کر ڈانٹا ۔ وزیر نے قسم کھائی کہ حضور مجھے تو خوب تجربہ ہے اسے خوب آتی ہے ۔ بادشاہ نے سلطنت کا انتظام ولی عہد کے سپرد کیا ، بدن پر بھبھوت مَلا تاکہ پہچانا نہ جائے اور اس وزیر کو ساتھ لے کر سقہ کے گھر پہنچا ۔ جب اُس نے گھر کا نشان بتادیا وزیر کو چلتا کر دیا ۔ حبّكَ الشیءَ یعمی ویصم چیز کی محبت آدمی کو اندھا بہرا کر دیتی ہے ۔

جب وہ سقہ گھر سے نکلا یہ بیٹھا رہا ۔ جب وہ شام کو پانی ڈالنے جانے لگا تو اُس کے ساتھ ہولیا ۔ کہنے لگا بڑے میاں آپ تو بڈھے ہوگئے ہیں ، آپ کو تو بڑی دِقت ہوگی ، میں تو گھر سے فالتو ہوں ، مارا مارا پھرتا ہوں ، اگر آپ مجھے کچھ ٹھکانے بتادیں تو میں ہی گھروں میں پانی ڈال آیا کروں ۔ سقہ نے کہا نہیں بھائی میری تو روزی اسی میں ہے تو اپنا کام کر ۔ کہنے لگا بڑے میاں تم مجھے اچھے ہی بہت لگو میں تو تمہاری خدمت میں رہنا چاہتا ہوں ، تم سے کچھ مانگنے کا نہیں ، نہ مجھے روٹی چاہئے نہ اور کچھ ۔ شام کو سقہ جب روٹیاں مانگ کر لایا تو بادشاہ کی بھی تواضع کی مگر اُس نے انکار کر دیا کہ مجھے بالکل بھوک نہیں ، غمزدہ ہوں ، پریشان ہوں ، میں تو کئی کئی دن کا فاقہ کرتا ہوں ۔ سقہ نے بڑے اصرار سے دو چار لقمے کھلائے ۔ یہاں پھر میں وہی کہوں گا کہ ایک سقہ کی غیرت نے تو گوارہ نہ کیا کہ ایک آدمی اُس کا کام کرے اور وہ بغیر اُس کے روٹی کھالے ! مگر ہم لوگوں کو اس کا بالکل یقین نہیں آتا کہ ہم اخلاص سے اللہ کا کام کریں اور وہ ہمیں بھوکا مار دے ۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ سقہ عالم الغیب نہیں تھا اس لئے دھوکہ میں آگیا ، مالک عالم الغیب ہے اُسے حقیقتِ حال معلوم ہے ۔ اُسے معلوم ہے کہ کون واقعی اخلاص سے مالک کا کام کر رہا ہے اور کون دھوکہ سے کر رہا ہے ۔

غرض بادشاہ نے سقّہ کی بہت ہی خدمت کی، دن بھر اُس کا پانی بھرتا، رات کو جب سقّہ لیٹتا تو اُس کا خوب بدن دباتا۔ ہٹا کٹا جوان قوی، سقّہ کو بھی پانچ سات دن میں وہ مزا آیا کہ لطف ہی آگیا۔ دو تین مہینے سقّہ نے خوب ٹٹولا، خوشامد کی کہ کچھ کھالے کچھ پیسے مقرر کر لے۔ بادشاہ نے کہا جی میاں مجھے مزدوری کرنی ہوتی تو دُنیا میں بہت مزدوریاں۔ مجھے تو تم بہت ہی اچھے لگتے ہو۔ میں تو راستہ میں بیٹھ گیا تھا، تمہاری صورت مجھے بہت ہی اچھی لگی۔ اگلا شعر تو میں نے اپنے والد سے نہیں سُنا مگر واقعہ کے مناسب یاد آگیا ؎

گر رے میری نظروں سے خوبانِ عالَم
پسند آگئی تیری صورت کچھ ایسی
دیر و حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا
مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں
گورے کالے پر نہیں موقوف
دل کے آنیکے طریقے نرالے ہیں
دیدِ لیلیٰ کے لئے دیدۂ مجنوں ہے ضرور
میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا اُن کا

غرض بادشاہ نے وہ محبّت کے جذبے دکھلائے کہ سقّہ بھی سوچ میں پڑ گیا کہ یہ بڑھاپے میں عاشقِ زار کہاں سے پیدا ہو گیا۔ کبھی کہتا ابا جی لنگی باندھ کے کپڑے دیدو میں دھولاؤں! ارے بھائی میں تو خود دھولوں گا۔ ابی تم بڑھاپے میں کہاں تکلیف اُٹھاؤ گے۔ اُن میں جوئیں ڈھونڈتا، خوب پٹرے پر چھیت چھیت کر صاف کرتا کچھ پیسے تو ضرور ساتھ ہوں گے، بڈھے کو جھانسہ دیکر کچھ اِدھر اُدھر سے کھالیتا، مگر

بڈھے کے سامنے اپنے فقر و فاقہ اور زُہد کا زور دکھاتا۔ چار پانچ مہینے بعد بڈھے نے کہا، " ارے لونڈے مجھے کیمیا آوے۔ بادشاہ نے بھی مجھ سے پوچھا تھا میں (سخت گالی دے کر) اُس کو بھی انکار کر آیا۔ تجھے ضرور بتاؤں گا۔ بادشاہ کی جان میں جان تو آگئی، مگر زبان سے اتنی سختی سے انکار کیا کہ کیمیا کی ایسی تیسی مجھے کیا کرنا ہے، مجھے تو تمہاری محبت نے مار رکھا ہے۔ آٹھ دس دن تک سقہ اصرار کرتا رہا۔ بادشاہ انکار کرتا رہا۔

ایک دن بڈھے نے کہا" میں بڈھا ہوگیا، یہ اِلَم (علم) میری سَاتھ ہی چلا جائے گا کسی اور کو تو مَیں بتانے کا نہیں تجھے ضرور بتاؤں گا، بھائی محبت سی محبت ہوتی ہے مجھے بھی تجھ سے محبت ہوگئی۔ اگرچہ تو نے مجھے اپنا حال تو بتایا نہیں کہ کون ہے کہاں سے آیا؟"

"اجی کیا اپنا حال بتاؤں، لاوارثی ہوں، یوں ہی مارا مارا پھرتا ہوں، گھر بھی بھول بھال گیا کہاں تھا، اب تو تم ہی اپنا بیٹا بنا لو" (غرض میں تو آدمی گدھے کو بھی باپ بنا لیتا ہے یہ تو بہرحال آدمی تھا)

ایک دن صبح ہی صبح سقہ بادشاہ کو سَاتھ لے کر جنگل گیا اور پچیس تیس بوٹیاں اُس کو خوب دکھائیں اور اسی سے تڑوائیں اور گھر آکر اسی سے کیمیا بنوائی۔ بادشاہ تو اس پر مر ہی رَہا تھا، خوب غور سے دیکھا اور رات ہی کو بھاگ گیا۔ اگلے دن سَقہ ہاتھ مَلتا رہ گیا کہ کمبخت بہت ہی دھوکہ باز تھا۔ بے ایمان یوں کہے تھا کہ مجھے تجھ سی محبت ہے، انجان آدمی سے تو کبھی مُنہ نہ لگائے۔

بادشاہ نے اپنے تخت پر پہنچ کر اُن ہی سنتریوں کو سقہ کے پاس بھیجا، وہ پکڑ لائے۔ بادشاہ نے پوچھا" ارے سَقہ تجھے کیمیا آتی ہے؟"

سقہ نے کہا "اجی میاں آپ نے تو پہلے بھی پوچھا تھا، اگر مجھے کیمیا آتی تو میں یوں مارا مارا پھرتا؟" مگر پانچ چھ مہینے جس نے پاؤں دبائے ہوں وہ کہاں چھپ سکے تھا۔ سقہ اُس کے مُنہ کو گھورتا رہا۔

بادشاہ نے کہا "مجھے بھی پہچان لیا؟"

سقہ نے کہا "میاں خوب پہچان لیا۔"

بادشاہ نے کہا "پھر تو یہ کیا کہہ رہا ہے؟"

سقہ نے کہا "میاں کیمیا تو پاؤں دبانے سے آتی ہے بادشاہ بن کر نہیں آتی۔ میاں کیمیا کے واسطے تو سقہ بننا ضروری ہے۔"

سُنا کہ بادشاہ بہت ہی خوش ہوا اور اُسے بہت ہی انعام دیا۔

اگلا شعر بھی میرا سُنا ہوا نہیں، میری ہی طرف سے اضافہ ہے ؎

تمنا دردِ دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
سُرخرو ہوتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد
رنگ لاتی ہے حِنا پتھر سے پِس جانے کے بعد

سقہ نے بات تو بہت ہی صحیح اور پتہ کی کہی ہے۔ خاکساری، تواضع اور خوشامد سے جو ملتا ہے وہ بڑائی اور تکبر سے نہیں ملتا۔ اس قسم کے قصے تو اپنے بڑوں سے بہت سُن رکھے ہیں مگر سارے رسالہ میں نمونے ہی لکھوائے ہیں ؎

مپندار جان پدر گرکسی
کہ بے سعی ہرگز بجائے رسی

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ محنت جفاکاری، بستی کے بڑے قصے

سُنایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ اُنہیں بہت جزائے خیر عطاء فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے من تواضع للہ رفعه اللہ (جو اللہ کیلئے تواضع کرے اللہ اُس کو بلند درجے عطاء فرماتے ہیں) یہاں تو تواضع بھی اللہ کے لئے نہیں تھی غرض کے واسطے تھی مگر تواضع اور سقہ کے پاؤں دبانے نے کیمیا سکھادی۔ اسی مناسبت سے سلوک کی مشہور کتاب **ارشاد الملوک ترجمہ امداد السلوک** سے ایک فصل نقل کرتا ہوں:-

فصل نمبر ۱۲ ص ۱۱۳ :- "جان لے کہ ذات نفس کی سیر اُس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ سالک کا نفس مطمئنہ شمع کی طرح نورانی بن جائے اور اس وقت اس کی شعاع عالم رُوحانی میں ہوتی ہے۔ اور سیر نفس کا ثمرہ یہ ہے کہ نفس بزرگ اور باعظمت ہو جائے اور اس کی بزرگی اور عظمت سیر کی مقدار پر ہوتی ہے۔ اور سُن لینا چاہیئے کہ نفس کی سیر مراقبہ اور حضور اور حق تعالیٰ کی جناب میں تذلل و تواضع اور عبودیت و تسلیم و انقیاد پر موقوف ہے اور اس بارے میں بہتیری حدیثیں وارد ہیں از انجملہ کہ شافع روز محشر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کیلئے تواضع کرتا ہے حق تعالیٰ اُس کا مرتبہ بلند فرما دیتا ہے اور وارد ہے کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ جانتے بھی ہو کہ کس شئے کے سبب ہم نے تم کو مخلوق سے اعلیٰ اور کلیم بنایا؟ انہوں نے عرض کیا کہ اے رب میں تو نہیں جانتا حکم ہوا ہم نے تم کو دیکھا تھا کہ ہماری عالی بارگاہ میں تواضع کے ساتھ خاک پر پڑے ہوئے تھے پس اس سبب سے ہم نے تم کو سارے آدمیوں سے بالاتر بنادیا۔ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ فخرالانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو حقیر مت سمجھو کہ صغیر مسلمان بھی خدا کے نزدیک کبیر ہے۔ اور ابنِ عباس رضؓ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کی ہے کہ بنی آدم میں کوئی ایسا نہیں جس کے سر میں دو زنجیریں نہ ہوں۔ ایک زنجیر تو ساتویں آسمان میں ہے اور دوسری زمین میں کھچی ہوئی ہے۔ پس اگر ابنِ آدم تواضع اور عاجزی کرتا ہے تو حق تعالیٰ آسمانی زنجیر کے ذریعہ سے اُس کو فلک ہفتم سے بالا لے جاتا ہے اور اگر تکبّر و غرور کرتا ہے تو زمین والی زنجیر کے واسطہ سے ساتویں زمین کے نیچے پہنچا دیتا ہے۔ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کی ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص نے ہمارے لئے تواضع کی اور مخلوق کے ساتھ نرمی اور احسان کے ساتھ گذاری اور میری زمین میں رہ کر تکبّر نہیں کیا تو میں اُس کا مرتبہ بلند کرتا ہوں، یہاں تک کہ اعلیٰ علیّین پر لیجاتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نفس کی سیر جس کی وجہ سے انسان کا نفس نورانی ہو جاتا ہے اور مراتبِ عالیہ نصیب ہوتے ہیں وہ سب تکبّر کو چھوڑنے اور اللہ کی جناب میں ذلّت و تواضع کرنے میں ہے۔"

مکتوب حضرت مجدّد صاحب قدس اللہ سرہٗ ۵۲

میرے مخدوم و مکرم نفسِ امّارۂ انسانی حُبِّ جاہ و ریاست پر پیدا کیا گیا ہے اور مقصود ہمہ تن ہمسروں پر بلندی حاصل کرنا ہے اور وہ بالذات اس بات کا خواہاں ہے کہ تمام مخلوقات اس کی محتاج

اور اُس کے امرونہی کے تابع ہو جائے اور وہ خود کسی کا محتاج اور محکوم نہ ہو اس کا یہ دعوای خدائے بے مثل کے ساتھ الوہیت اور شرکت کا دعوای ہے، بلکہ وہ بے سعادت شرکت پر بھی راضی نہیں ہے، چاہتا ہے کہ حاکم صرف آپ ہی ہو اور سب اس کے محکوم ہوں۔ حدیث قدسی میں آیا ہے "عاد نفسك فانها انتصبت بمعاداتي" یعنی اپنے نفس کو دشمن رکھ کیونکہ وہ میری دشمنی پر کھڑا ہے۔ بس جاہ و ریاست اور بلندی و تکبر وغیرہ اس کی مرادوں کے حاصل کرنے میں نفس کی تربیت کرنا درحقیقت اس کو خدائے تعالیٰ کی دشمنی میں مدد اور تقویت دینا ہے۔ اور اس امر کی بُرائی اچھی طرح معلوم کرنی چاہیئے۔ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ "الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی فی شیٔ منهما ادخلته فی النار ولا ابالی" تکبر میری چادر اور عظمت میرا کپڑا۔ بس جس نے ان دونوں میں سے کسی میں میرے ساتھ جھگڑا کیا میں اُس کو دوزخ میں داخل کر دونگا، اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ دنیا کمینی جو خدائے تعالیٰ کی ملعونہ و مبغوضہ ہے اسی باعث سے ہے کہ دُنیا کا حاصل ہونا نفس کی مُراد کے حاصل ہونے میں مدد دیتا ہے۔ پس جو کوئی دشمن کی مدد کرے وہ لعنت ہی کے لائق ہے اور فقر فخر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ فقر میں نفس کی نامرادی اور عاجزی ہے۔ انبیاء علیہم السّلام کے پیدا ہونے سے مقصود اور شرعی تکلیفوں (شریعت) کی حکمت یہی ہے کہ نفس امارہ عاجز اور خراب ہو جائے۔ شرعی احکام نفسانی خواہشوں کے دفع کرنے کیلئے وارد ہوئے ہیں۔ جس قدر شریعت کے موافق عمل کیا جائے اُسی قدر نفسانی خواہش کم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احکامِ شرعی میں سے ایک حکم کا بجالانا نفسانی خواہشوں کے دور کرنے میں ان

ہزار سالہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے جو اپنے پاس سے کئے جائیں کئی درجہ بہتر ہے بلکہ ایسی ریاضتوں اور مجاہدوں سے جو شریعت کے موافق نہ کئے جائیں نفسانی خواہشوں مدد اور قوت دینے والے ہیں۔ برہمنوں اور جوگیوں نے ریاضتوں اور مجاہدوں میں کمی نہیں کی، لیکن ان میں سے کوئی فائدہ مند نہ ہوا اور ان سے نفس کی تقویت اور تربیت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا، مثلاً زکوٰۃ کے طور پر جس کا شریعت نے حکم دیا ہے ایک دام خرچ کرنا نفس کے خراب کرنے میں ان ہزار دیناروں کے خرچ کرنے سے بہتر اور فائدہ مند ہے جو اپنی مرضی کے موافق خرچ کئے جائیں۔ اور شریعت کے حکم سے عید الفطر کے دن کھانا کھانا خواہش کے دور کرنے میں اپنی مرضی کے موافق کئی سال روزہ رکھنے سے بہتر ہے۔ اور نماز صبح کی دو رکعتوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا جو سنتوں میں سے ایک سنت ہے کئی درجہ اس بات سے بہتر ہے کہ تمام رات نفل نماز میں قیام کریں اور صبح کی نماز بے جماعت ادا کریں۔

تکبر کے درجات و مراتب

ایک درجہ تو یہ ہے کہ مال، اولاد، عقل و حسن وغیرہ میں خود کو اوروں سے بڑا اور دوسروں کو حقیر و ذلیل سمجھے، ان چیزوں میں تکبر بہت بڑی حماقت ہے اس لئے کہ ان سب چیزوں کے حقیقی مالک تو حق تعالیٰ شانہٗ ہیں اور بندہ کو صرف عارضی طور پر امتحان کیلئے عطا ہوئی ہیں، جب وہ چاہیں گے فوراً چھین لیں گے ورنہ کچھ دن بعد تو موت یقیناً ان چیزوں کو چھڑا ہی دے گی، پھر تکبر کی گنجائش کہاں ہے۔ انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ گو عارضی طور پر ہیں لیکن پھر بھی تکبر کے یہ اسباب اسباب نظر تو آرہے ہیں اور

یہ حضرات صرف ان ہی چیزوں میں دوسروں سے فوقیت لیجانے کو کافی و وافی تصور کرتے ہیں، حالانکہ دُنیاداروں میں سے اکثر حضرات علم وعمل کی دولت میں خود کو اوروں سے کم ہی جانتے ہیں. اس لئے اس قسم کی بڑائی کا خیال کم درجہ کا تکبّر ہے، اور اسی بناء پر بوڑھے زانی اور فقیر متکبّر پر حق تعالیٰ شانہٗ کا زیادہ غصہ وارد ہوا ہے کیونکہ ان کے پاس تو جھوٹے اسباب بھی نہیں اور اس پر بھی تکبّر کرتے ہیں۔ اور سب سے بڑا تکبّر یہ ہے کہ ولی اور بزرگ بننے کی اس بناء پر جھوٹی کوشش کرے کہ حق تعالےٰ کے ساتھ تعلق اور تقرب میں جو عزت اور بڑائی ہے اُس کو دُنیا کے بڑے بڑے بادشاہ بھی مانتے ہیں اور ان فقیروں کی جوتیاں اُٹھانے کو فخر تصوّر کرتے ہیں. لہٰذا علم و عمل پر جو تکبّر ہوگا وہ بھی سب سے بڑا ہوگا. اس میں حماقت کی بھی انتہا ہو جاتی ہے اس لئے کہ مال و اولاد وغیرہ جو دنیا داروں کی بڑائی کے اسباب ہیں وہ فی الجملہ نظر تو آتے ہیں اور علم وعمل کی بزرگی اور بڑائی کے اسباب تو نظر بھی نہیں آتے محض گمان ہی گمان ہے کیونکہ عمل کے قبول و عدم قبول کی تو کسی کو خبر بھی نہیں ہے یہ تو محض اللہ تعالیٰ کی مرضی اور فضل پر ہے. کوئی بڑے سے بڑا بزرگ بھی اپنے عمل کو اللہ جلّ شانہٗ کی شان کے مطابق قابلِ قبول نہیں کہہ سکتا۔ نیز قبولیت کی کسی کے پاس اطلاع بھی نہیں بلکہ جتنی کسی کو معرفت ہوگی اُتنا وہ اپنے عمل کو حقیر سمجھے گا اور ڈریگا. اگر کبھی بطور شکر یہ کسی کے دینی نفع کے لئے اپنے کسی عمل یا حالت کو ظاہر کریگا تو اس کے ساتھ عجز و تواضع ہی کا اظہار ہوگا تکبّر نہ ہوگا۔ اور ایک تکبّر اس سے بھی بڑھ کر ہے وہ تواضع کی شکل میں ہے۔ یعنی انسان خود کو تواضع کی صفت سے موصوف اور اس میں اوروں سے بڑھا ہوا سمجھے اس کو اپنے متکبّر ہونے کا وہم تک نہیں ہوتا؛ اس لئے یہ تکبّر محض سے شدید تر ہے.

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب

کے خط میں اس مصرعہ نے مجھے سر سے پاؤں تک ہلا دیا ع

او بناز مجھے من بنیاز مجھے

پھر تکبر کبھی صرف دل میں ہوتا ہے، یہ استکبار کہلاتا ہے۔ کبھی زبان سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اس کو فخور اور شیخی جتانے والا کہتے ہیں۔ یہ سب حرام ہیں چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے:-

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ○

وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ○

(فصل دوم)

علاماتِ تکبّر

تکبّر کی ایک نہایت بدترین خصوصیت تکبّر اپنے معنیٰ اور تعریف کی رُو سے تو بالکل واضح ہے، یعنی خود کو اوروں سے اُونچا سمجھنا اور دوسروں کو حقیر جاننا. لیکن جنون کی بیماری کی طرح اس کی بھی ایک عجیب خاصیت ہے، اور وہ یہ ہے کہ جس طرح جنون والا خود کو مریض نہیں جانتا بلکہ دوسروں ہی کو مجنون سمجھتا ہے اسی طرح دنیا میں کوئی متکبّر خود کو متکبّر نہیں سمجھتا. بلکہ جتنا کسی کے اندر یہ مرض ہوتا ہے اُتنا ہی وہ اپنے سے اس کی نفی کرتا ہے اور بے فکر ہوتا ہے۔ مجنون تو عقل کے زائل ہونے کی وجہ سے معذور ہوتا ہے لیکن متکبّر معذور نہیں، کیونکہ یہاں مرض کا احساس نہ ہونے کی وجہ عقل کا فتور نہیں ہے بلکہ بے فکری اور بے التفاتی ہے جو معاف نہیں ہے۔ اور یہی حال موت کا بھی ہے کہ اعتقاد و یقین کے باوجود موت سے ایسی غفلت و بے فکری ہے کہ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ موت محض افسانہ ہے یا دوسروں کو آیا کرتی ہے ہمیں تو کبھی بھی نہ آئے گی، یا کم از کم فی الحال اور فوراً تو آ ہی نہیں سکتی، برسوں کے بعد جب کبھی آئے گی اُس وقت دیکھ لیں گے، ابھی سے فکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے، حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے، موت ہر وقت سر پر سوار ہے۔ اس کی فکر ہر وقت رہنی چاہیئے، مُوت کو یاد نہ کرنا ہی دل کی سختی، طولِ امل اور ساری غفلتوں کی جڑ ہے۔ اسی طرح تکبّر بھی بالکل ظاہر ہے کہ یہ اپنے معنیٰ اور تعریف کی رُو سے بالکل واضح ہے یعنی خود کو اَوروں سے اُونچا سمجھنا اور دوسروں کو حقیر جاننا لیکن انسان کو اس کا احساس

قطعاً نہیں ہوتا جس کی وجہ بے فکری اور اپنی حالت پر توجّہ نہ کرنا ہے۔ اور التفات کی ضرورت اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ تکبّر کی حقیقت ہی یہ ہے کہ آدمی اپنے تمام افعال و اعمال اور افکار و خیالات کو اچھا سمجھے۔ جب اچھا ہی سمجھ رہا ہے تو فکر کی کیا ضرورت۔ جب تک کہ علامات پر غور نہ کرے یا کوئی دوسرا دوست متنبّہ نہ کرے پتہ نہیں چلتا۔ کیونکہ دوسروں پر تو یہ خصلت اکثر بہت جلدی ظاہر ہو جاتی ہے، جیسا کہ کوئی غصّہ میں جب یہ کہتا ہے کہ تو جانتا نہیں میں کون ہوں؟ ان الفاظ سے کبر بالکل ظاہر ہے۔ اسی طرح آواز کے اندر بھی محسوس ہو جاتا ہے، بلکہ چال ڈھال، چہرہ کے خط و خال اور حرکات و سکنات سے تکبّر صاف ٹپک پڑتا ہے جس سے وہ شخص سمجھدار انسان کی نظروں میں تو گر ہی جاتا ہے البتہ بے وقوفوں پر وقتی طور پر تھوڑا سا رعب پڑ جاتا ہے لیکن اس کا انکے دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اہلِ تواضع کا جو رعب اور وقار ہوتا ہے اُس کا دل پر اثر پڑتا ہے، محبّت و کشش کے ساتھ عظمت و ہیبت ہوتی ہے۔ اس لئے ہم سب کو چاہیئے کہ اپنے کو مریض سمجھ کر علاماتِ کبر کو غور سے پڑھکر علاج کا فکر کریں۔ اب چند علامات لکھکر پھر علاج عرض کیا جائے گا انشاء اللہ۔

حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحب محدّث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

(۱) **کبر اور خود پسندی ایک قلبی امر ہے** جس کا اثر یہ ہے کہ آدمی کو اپنی رائے یا اعتقاد کے مقابلہ میں امرِ حق کو قبول کرنے سے نفرت ہوتی ہے۔

(۲) دوسروں کے اعتقاد و خیال، رائے و قیاس، صورت و لباس کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔

(۳) شرعی ضرورت کے بغیر دوسروں کی بُرائی یا عیب و نقص کی بات بیان کرتا ہے یا رغبت سے سُنتا ہے، کبھی ظاہر میں کہہ بھی دیتا ہے کہ غیبت نہ کرو، مجھ کو اچھی نہیں لگتی، لیکن اندر سے دل یہی چاہتا ہے کہ یہ میری بات نہ مانے

بلکہ اپنی بات سُنائے جائے۔

(۴) تواضع کا کوئی کام کر کے یہ خیال کرنا کہ میں نے تواضع اختیار کی ہے یہ بھی تکبّر کی علامت ہے کیونکہ متواضع کو تو اپنی تواضع کی طرف توجّہ بھی نہیں ہوتی، یعنی یہ سوچنا کہ میں تو بڑا آدمی ہوں یہ کام میں نے تواضع اختیار کرنے کی وجہ سے اپنی حیثیت سے کم درجہ کا کیا ہے، یہی تو کبر ہوا۔ اگر اندر بڑائی کا تصور نہ ہوتا تو وہ کام تواضع کا معلوم نہ ہوتا۔ جیسے کوئی غریب فقیر آدمی زمین پر بیٹھے تو اُس کو کوئی متواضع نہ کہے گا، نہ وہ اپنے کو متواضع کہہ سکتا ہے لیکن اگر کوئی امیر آدمی زمین پر بیٹھنے کو تواضع کا کام سمجھتا ہے تو ظاہر ہے کہ اپنی بڑائی کے پیشِ نظر سمجھتا ہے اور یہی کبر ہے۔

(۵) اپنی شہرت کے اسباب اختیار کرنے والا اور گمنامی سے بچنے والا ہر وقت عزّت و وقار کی فکر رکھنے والا آدمی بھی متکبّر ہے۔ اپنی اصلاح کے واسطے ایک متفکّر کیلئے اپنے اندر اس علامت کو محسوس کرنا مشکل نہیں۔

(۶) اپنے ساتھ امتیازی معاملہ چاہنے والا یعنی گفتگو کرنے میں، بٹھلانے اُٹھلانے میں اور دیگر لین دین کے معاملات میں اگر اس کی حیثیت کے مُطابق کوئی معاملہ نہیں کرتا تو اس کا دل تنگ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دل کی تنگی کی وجہ اپنی حیثیت پر نظر ہی ہے اور یہ تکبّر ہی ہے۔

(۷) سب سے بڑا متکبّر اور فقیری کے راستہ کا ناکام بلکہ اس راستہ کا اُلٹا چلنے والا وہ صوفی ہے جو اپنے متعلق مشائخ سے خلافت واجازت کی خواہش اور اُمید رکھتا ہو۔

(۸) اپنی تقویٰ اور دین داری کی مجموعی حالت کے لحاظ سے غیر متوازن

طور پر چھوٹی چھوٹی جزئی باتوں میں پاک، ناپاک، حلال، حرام کا بہت شور کرنا۔ اسی طرح فرائض کی غفلت کے باوجود مستحبات پر زور شور دکھلانا۔

چنانچہ 'اکمال' میں لکھا ہے کہ "واجبات کی ادائیگی میں سستی اور نفلی عبادت میں مسارعت کرنا نفس کے اتباع کی علامت ہے۔ اسی طرح کوئی دوسرا اُن کے مصلے پر پیر رکھدے یا لوٹا استعمال کرلے تو بس وہ ناپاک ہوجاتا ہے۔ محض شبہ پر کسی کا کھانا حرام اور اس کے پیچھے نماز ناجائز ہوجاتی ہے اس قسم کی علامتیں خصوصیت کے ساتھ ان قاری حضرات میں بھی پائی جاتی ہیں جو فن میں تو مہارت حاصل کرلیتے ہیں لیکن کسی بزرگ سے اپنی اصلاح نہیں کرواتے۔

حضرت امام غزالی کا مضمون "بعض قراء کی حالت" اس کے متعلق

حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۵۰۵ھ کی آخری تصنیف "منہاج العابدین" میں جو قاری صاحبان کا حال لکھا ہے وہ ذرا سخت مضمون ہے اس لئے لفظ بلفظ انہی کی کتاب سے نقل کرتا ہوں تاکہ اُن کے اخلاص کی برکت کے سبب سختی سے بُرا اثر نہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں:-

"حسد، کبر وغیرہ یہ عیوب عام انسانوں میں عمومی طور پر اور قاریوں میں خصوصی طور پر پائے جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ عیوب بہت بڑی اور بدترین صورت اختیار کرلیتے ہیں۔ جب قاری کو بھی غور سے دیکھیں گے اس کا حال یہی نظر آئے گا کہ اُمیدیں دراز ہوں گی اور اس کو بھی نیتِ خیر ہی تصور کریں گے۔ اسی طرح مراتبِ خیر کے حاصل کرنے میں نیز دُعا کے قبول ہونے میں جلدی مچائے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اس سے محروم رہ جائے گا۔ تم ایسے قاریوں کو دیکھو گے کہ وہ اپنے ہم پلّہ قاریوں سے ان چیزوں پر حسد کرتے ہوئے

نظر آئیں گے جن سے حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کو نوازا ہے، یہاں تک کہ ایسے مقام پر پہنچ جائیں گے اور اپنے کو ایسی بُرائیوں اور رُسوائیوں میں ڈالدیں گے جن کی جانب کوئی فاسق وفاجر تک بھی رُخ نہیں کرسکتا۔"

حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ "مجھ سے سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ قاریوں سے بچو اور مجھے ان سے محفوظ رکھو اس لئے کہ میں اگر ان کی مخالفت کروں تو ایک انار کے بارے میں بھی مجھ سے جھگڑا شروع کردیں گے میں کہوں گا یہ میٹھا ہے وہ کہیں گے تُرش ہے، حتّٰی کہ مجھ کو تو اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ وہ مجھے ظالم بادشاہ کے پاس لیجاکر اُس کے سپرد کردیں گے۔"

مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ "میں قاریوں کی گواہی تمام مخلوق کے خلاف قبول کرلیتا ہوں لیکن ان میں سے بعض کی گواہی بعض کے خلاف قطعًا قبول نہیں کرتا اس لئے کہ میں نے اکثر قاریوں کو حاسد پایا ہے۔"

حضرت فضیلؒ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے اپنے لڑکے سے فرمایا کہ قاریوں سے دور جاکر مکان خریدلو، اس لئے کہ اگر مجھ سے اور جماعت سے کوئی لغزش صادر ہوگئی تو یہ ہماری تذلیل کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت عطار فرمائی تو یہ حسد کریں گے۔ غرض قاریوں کو تو اس طرح دیکھے گا کہ انسانوں پر تکبّر کرتے ہونگے رخسارے پھُلائے ہوئے اور چہرے بگاڑے ہوئے ہوں گے۔ انتہیٰ کلام الامام

اس رسالہ کے اور مضامین کی طرح قراء کے ذکر والا مضمون بھی محض دینی خیر خواہی کی بناء پر سپردِ قلم کیا گیا ہے تاکہ تمام قراء کیلئے عمومًا اور ان میں سے سلسلہ میں داخل ہونے والے حضرات کیلئے خصوصی طور پر مفید ہو اور ان تمام عیوب سے اپنے ظاہر و باطن کو بالکل صاف وشفاف بنانے کی کوشش کریں اور دل سے دُعا کریں کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں اپنے مقبول

بندوں والی صفات سے متصف کریں اور اپنے پسندیدہ طریقہ پر قرآن شریف کے پڑھنے اور پڑھانے کی توفیق مرحمت فرمائیں اور ہمیں اور ہمارے شاگردوں کو اس حدیث کا مصداق بنائیں :۔

حامل القرآن حامل لواء	صاحبِ قرآن اسلام کا جھنڈا لئے ہوئے
الاسلام من اکرمہ فقد	ہے جو اس کی تعظیم کریگا اللہ تعالیٰ اُس کو
اکرمہ اللہ ومن اھانہ فعلیہ	عزت دیگا، اور جو اس کی توہین کرے گا
لعنۃ اللہ {مسند فردوس}	اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔

قاری حضرات کا مقام قاریوں میں اس مرض کے زیادہ پائے جانے کی وجہ اُن کی جلالتِ شان، اُن کے کام کی عظمت و بزرگی ہے۔ جس جگہ بڑائی کے اسباب ہوتے ہیں وہاں اس مرض کا اندیشہ بھی ہوتا ہے، کیونکہ جو بلند مقام پر فائز ہو اُس کے گرنے سے نقصان بھی زیادہ ہوتا ہے۔ جس گھر میں مال ہوتا ہے اُس میں چوروں کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ جس میں جتنا حُسن ہوتا ہے اُس کیلئے عصمت کی حفاظت بھی اُتنی ہی ضروری ہوتی ہے۔ عبادت کی کثرت کے ساتھ ریاء کا اندیشہ بھی لگا ہوا ہوتا ہے، اور سخاوت کی کثرت کے ساتھ حُبِ جاہ کا خطرہ بھی لابدی اور ضروری ہے، اور اسی لئے ریا کار قاری، سخی شہید کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ ان کے لئے حکم ہوگا اور ان کو مُنہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈالدیا جائے گا۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں ان تینوں جماعتوں کی توہین و تذلیل نہیں ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنے اعمال کو ریاء سے پاک رکھنے کا پورا اہتمام کریں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہراتؓ کے بارے میں سورۃ الاحزاب آیت ۳۰ میں ارشاد ہے :۔

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنۡ یَّاۡتِ	اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویو! تم میں

مِنۡكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفۡ لَهَا الۡعَذَابُ ضِعۡفَيۡنِ ؕ (سورۂ احزاب آیت ۳۰)	جو بھی کھلی نافرمانی کرے گی (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نفقہ اور خرچ طلب کرکے ستائے گی) حق تعالیٰ شانہٗ اس کو اوروں سے دگنی سزا دیں گے۔

نیز ارشاد ہے "افمن یعلم انما انزل الیک من ربک الحق کمن ھو اعمٰی" (کیا جو شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ جو قرآن آپ پر آپ کے رب کے یہاں سے اترا ہے وہ بالکل حق اور صحیح ہے کیا اس مبارک صفت سے متصف ہونے والا اس کی طرح ہو سکتا ہے جو بالکل اندھا ہو اور قرآن کی طرف توجہ بھی نہ کرتا ہو) نیز حدیث میں ہے کہ جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنم ہر روز سات مرتبہ پناہ مانگتی ہے، اور اس وادی میں ایک کنواں ہے جس سے وہ وادی اور جہنم سات مرتبہ روزانہ پناہ مانگتے ہیں۔ اور اس کنوئیں میں ایک سانپ ہے جس سے دوزخ، وادی اور کنواں تینوں چیزیں ہر روز سات بار پناہ چاہتی ہیں۔ قرآن والے فاسقوں اور بدعملوں کو اس میں اوروں سے پہلے ڈالا جائیگا وہ عرض کریں گے اے اللہ! بت پرستوں سے بھی پہلے ہمیں اس عذاب میں ڈال دیا! ارشاد ہوگا "لیس من یعلم کمن لا یعلم" جاننے والا نہ جاننے والے کے برابر نہیں ہوا کرتا (تم نے یہ سب جان بوجھ کر کیا ہے) نیز اگر شادی شدہ آزاد مرد و عورت زنا میں مبتلا ہو جائیں تو حدیث کی رُو سے اُن کی سزا سنگساری ہے۔ اور غیر شادی شدہ آزاد کی سزا صرف سَو کوڑے ہے۔ اور غلام اور باندی کی سزا پچاس کوڑے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے غلام اور باندی کی آزاد پر فوقیت ثابت نہیں ہوتی۔ نیز یہ بات بھی واضح ہے کہ مسجد میں گندگی اور بدبو ڈالنا زیادہ بُرا ہے اور بازار میں ڈالنا اتنا بُرا نہیں اور گندگی کی جگہ ڈالنے کو کوئی بُرا نہیں سمجھتا۔ پس بزرگانِ دین کے ارشاد میں قراء کے لئے

خصوصی اور زیادہ تنبیہ اُن کے کامل ہونے کی بناء پر ہے اور ذیل کی حدیث بھی ان کی فضیلت پر واضح دلیل ہے اور وہ یہ ہے :-

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہٗ ۔ — تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو قرآن مجید پڑھیں اور اُسے پڑھائیں۔

اور علم والے خوب جانتے ہیں کہ تجوید و قرأت کی کُتب میں قرآن مجید اور قراء و حفاظ کے فضائل کی روایات کثرت سے آئی ہیں اور حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت فیوضہم و مجدہم کا رسالہ "فضائلِ قرآن" بھی اس سلسلہ کی ایک عمدہ ترین کڑی ہے۔ اس بارے میں اس کا مُطالعہ بھی بہت زیادہ مفید ہوگا۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ یہ حقیقی محبوب کا کلام ہے۔ اور سچے معبود و مطلوب کے فرمائے ہوئے الفاظ ہیں۔ اس کے بعد کسی اور فضیلت کی حاجت قطعًا باقی نہیں رہتی۔ اس کو عمدگی سے اور صحت و تجوید کے ساتھ اور خوش آوازی سے پڑھنا اور اسی کو اپنا مشغلہ بنا لینا کتنی بڑی قدر و منزلت کی بات ہے۔ چونکہ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ یعنی حق تعالیٰ شانہٗ نے خود حکم فرمایا ہے کہ قرآن کو صاف صاف اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ اس لئے قرآن مجید تجوید سے پڑھنا فرض ہے، اس کے بغیر نماز بھی درست نہیں ہوتی۔ اور چند افراد کا اس فن میں کامل مہارت حاصل کرنا اور اس سلسلہ کو جاری رکھنا فرضِ کفایہ ہے لیکن

جن کے رُتبے ہیں سِوا اُن کو سِوا مشکل ہے

اس لئے قراء کو اپنے اس مرتبہ کی حفاظت پورے اہتمام سے کرنی چاہیئے اور ہر وقت لرزاں و ترساں رہیں۔ اور یہ سوچیں کہ کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے جس سے یہ مرتبہ سلب ہو جائے۔

عارفِ کامل حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب قدس اللہ سرّہٗ رائپوری فرماتے ہیں کہ حافظ کا سینہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سینۂ مبارک کے مشابہ ہے جس پر

قرآن نازل ہوا اور اسی میں محفوظ ہوا اس بناء پر حافظ کیلئے ضروری ہے کہ اپنے دل کو تکبر وریاء، شہرت، طمع، حرص وغیرہ سے پاک رکھے، کیونکہ اس میں قرآن لکھا ہوا ہے اور محفوظ ہے اور حدیث میں قرآن پڑھنے والے مؤمن کی مثال اُترُج سے دی گئی ہے جو ایک خوشبو دار پھل کا نام ہے۔ شاطبیہ شعر ۳ میں ہے ؎

وَقَارِئُهُ الْمَرْضِيُّ قَرَّ مِثَالُهُ
كَالْاُتْرُجِّ حَالَيْهِ مُرِيحًا وَّمُوكَلَا

یعنی قرآن مجید کا پڑھنے والا اگر نیک اعمال کر کے حق تعالیٰ کا پسندیدہ بن جائے تو اس کی مثال حدیث پاک میں اترج کی طرح آئی ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور مزہ بھی عمدہ ہے۔ یعنی جس طرح خوشبو والے کے پاس بیٹھنے سے ہم نشینوں کا دماغ معطر ہو جاتا ہے اسی طرح قاری کے پاس بیٹھنے والے قرآن مجید سُنکر مالا مال ہوتے ہیں، اور جس طرح اترج کا مزہ عمدہ ہے اسی طرح مؤمن کا باطن بھی ایمان کی وجہ سے نورانی ہے۔ اور قرآن پاک پڑھنے والے منافق کی مثال ریحان کی طرح ہے کہ اُس کی خوشبو تو اچھی ہے مگر مزہ کڑوا ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ قاری کو چاہیئے کہ اپنے نفس کو بُری عادتوں (بخل، حسد، تکبر، ریاء، کینہ وغیرہ) سے پاک کر کے اخلاق حمیدہ (صبر و شکر، رضاء و توکل وغیرہ) سے مزین کرے اور اپنے ظاہر و باطن کو نورانی بنائے۔ غرض طعن اور ملامت ان قاریوں اور علماء اور دینی کارکنوں کے لئے ہے جو صرف علم اور فن میں مہارت حاصل کر لینے کو کافی جان کر اپنی ظاہری و باطنی اصلاح کا اہتمام نہیں کرتے۔ نیز قراء اور علماء کی اصلاح کے لئے قرآن ہر طرح کافی ووافی ہے۔ چنانچہ سورۂ یونس میں ارشاد ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ — اے لوگو! بلاشک تمہارے پاس تمہارے

مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ {یونس}

پروردگار کے یہاں سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفاء اور ایمان والوں کیلئے ہدایت ورحمت آگئی ہے۔

حدیث میں ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کرنے اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے سے دل میں صفائی اور پاکیزگی آجاتی ہے۔ اور دوسری حدیث میں ہے جو حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ تم لوگ حق تعالیٰ کی طرف رجوع اور اُن کا قُرب اور پیار اس سے زیادہ کسی اور چیز سے حاصل نہیں کرسکتے جو خود حق تعالیٰ شانہٗ کی ذاتِ مقدسہ سے نکلی ہے اور وہ قرآن ہے جس میں شریعت بھی ہے اور دل کی بیماریوں کی شفاء بھی اور حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف وصول کا اور اُن کا پیارا بندہ بننے کا راستہ بھی بتایا ہے۔ لیکن جس طرح قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے لئے وضوء اور غسل کے ذریعہ پاکی حاصل کرنیکی اور اسے صحیح پڑھنے کیلئے تجوید کے ماہر استاد سے سیکھنے کی اور اس کے احکام پر عمل کرنے کیلئے فقہ وحدیث کی اور دوسرے بہت سے علوم کی اور باعزت اماموں کی رہنمائی کی ضرورت ہے اسی طرح قرآن پاک سے اپنی اصلاح کرنے کیلئے بھی بزرگانِ دین سے تعلق پیدا کرنے کی حاجت ہے اور خود قراء اور علماء کی جماعت میں بھی بفضلہٖ تعالیٰ ایسے حضرات موجود ہیں جن سے اصلاحی تعلق پیدا کرکے اخلاقِ رذیلا سے پاکیزگی اور اخلاقِ حمیدہ سے اپنے ظاہر وباطن کو سجالینے کی نعمت حاصل کرسکتے ہیں اور اس کے بعد ان کی دینی خدمت کا وزن بھی لاکھوں گنا زیادہ ہو جائے گا کیونکہ اعمال کا وزن یقین وایمان کی قوت اور احسان کی کیفیت کے مقدار کے اندازہ پر ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ "میرے صحابہؓ کا ایک مُد (یعنی جو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنا) بعد میں آنے والوں کے اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے سے بڑھ کر ہے۔" یہ فرق اس لئے ہے کہ صحابہؓ کا اخلاص ویقین بعد والوں کے یقین

سے بے شمار درجہ بڑھا ہوا ہے۔ نیز شیوخ فرماتے ہیں کہ "عارف کی ایک رکعت غیر عارف کی لاکھ رکعتوں سے بڑھ کر ہے"۔ یہ فرق بھی احسان و اخلاص کے درجات کے تفاوت کی بنا پر ہے۔

اجازت مرحمت ہو تو ایک اور بات بھی عرض کرنے کو جی چاہتا ہے جس کا یاد رکھنا قرار کے لئے بہت زیادہ مفید ہے کہ حدیث میں جو عمدہ آوازوں سے تلاوت کرنیکا شوق دلایا ہے اس خوش آوازی کی تفصیل بھی دوسری حدیث میں آئی ہے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ عمدہ آواز سے پڑھنے والا کون ہے؟ فرمایا کہ جب تم اُسے تلاوت کرتے دیکھو تو تمہیں معلوم ہو کہ یہ اللہ سے ڈر رہا ہے۔

بندہ نے اپنے بزرگوں کو قرآن پاک کی تلاوت میں بکثرت روتے ہوئے بارہا دیکھا ہے حق تعالیٰ شانہ ہمیں بھی ان کی اس صفت سے اور دوسری تمام صفتوں سے متصف ہونا نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین۔

علامت نمبر ۹ بعضوں کی چال تو فیشن میں آکر ایسی ہو جاتی ہے جیسے لقا کبوتر کا اپنی دُم سنبھال سنبھال کر حرکت کرتا ہے، ایسی ہی چال یہ لوگ چلتے ہیں، قدم قدم پر دیکھتے جاتے ہیں کہ کہیں سے فیشن تو نہیں بگڑ گیا۔ عترہ کی نوک اور شیروانی کی کریز کا ہر وقت خیال رہتا ہے، نماز میں بھی اس کی ہر وقت فکر رہتی ہے اور بار بار ٹھیک کر کے نماز بھی خراب کر لیتے ہیں۔ تکبر کی بعض شاخوں کا اپنے اندر معلوم کرنا آسان ہے۔ مثلاً غصہ، حسد، بغض، ریاء، بدگمانی وغیرہ، کچھ علامتیں تنبیہ اور علاج کے بیان میں آئیں گی۔ بعینہٖ یہی حالت موجودہ زمانہ کے اکثر و بیشتر خطیبوں، عالموں اور مشائخ کی ہے۔ اسی فیشن کیلئے لباس کا ٹخنوں سے نیچے تک پہننا اور کسی نوجوان صالح کو سُنّت کے شوق میں نصف ساق تک پہنچے دیکھے تو مسکرا دینا، کئی صاحب علم کو ایسا مسکراتے دیکھا۔ صاحب علم حضرات جانتے ہیں کہ یہ کتنی

سخت بات ہوسکتی ہے ظاہری گناہ کے لحاظ سے ڈاڑھی کا منڈانا ایک مشت سے کم کو کٹانے سے اشد ہے، مگر یہ مرضِ کبر اکثر خشخشی ڈاڑھی والوں میں نسبتاً زیادہ پایا جاتا ہے اور وہ اس ڈاڑھی کو کسی وجہ سے رکھ تو لیتے ہیں یا کسی مجبوری سے مُنڈا نہیں سکتے مگر ہر وقت اس کی تزئین کا فکر رہتا ہے خصوصاً راستہ چلتے اور نماز میں یہ فکر بہت سوار ہوتا ہے کہ کہیں ایک چھوٹا سا بال بھی اِدھر اُدھر نہ ہو جائے، بار بار اس کو ہاتھ سے دبایا جاتا ہے خواہ نماز میں بجاؤ اس دفعہ یہ حرکت کر کے نماز کو خراب کرنا پڑے۔

۱۲ نوافل عبادات کی مسارعت کرنا اور واجبات کی بجاآوری میں سستی کرنا مثلاً (۱) صوفیوں میں اس طرح کہ ذکر مراقبہ وغیرہ میں بہت پابندی کرنا یہاں تک کہ رات کو دیر تک وظائف میں مشغول رہ کر صبح کی نماز کے وقت سوئے رہنا یا بغیر جماعت کے نماز پڑھ لینا۔ اپنے ذمہ قضاء نمازوں کو ادا کرنے اور گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنے میں سستی کرنا۔ (۲) اور علماء میں اس طرح کہ وعظ، تبلیغ، تصنیف تالیف میں نام پیدا کرنے والے اعمال میں خوب کوشش کرنا اور خود اپنی اصلاح کی فکر نہ کرنا (۳) اور طلباء میں نماز روزہ، پاکی ناپاکی، بیع و شراء کے مسائل جن کو معلوم کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اس کی تو پرواہ نہ کرنا، نہ تو عربی کی بڑی کتب فقہ سے اُن کو سمجھنا کہ اس قسم کے طلباء میں اتنی استعداد ہی نہیں ہوتی اور نہ ہی تعلیم الاسلام اور بہشتی زیور وغیرہ سے ان ضروری مسائل کو یاد کرنا بلکہ اکابر کی تعلیمی اور اصلاحی کتب کو محض اردو میں ہونے کی وجہ سے دیکھنا اپنی شان کے خلاف سمجھنا اور جو علوم ضروری علوم کے بعد حاصل کرنے چاہیئے تھے، مثلاً منطق، فلسفہ، ادب، تاریخ وغیرہ ان میں خوب محنت کرنا، اسی طرح تجوید قرات کے نام سے آواز بنانے کیلئے آدھی آدھی رات کو اُٹھکر گھنٹوں مشق کرنا خواہ مخارج اور حروف کی صفات و قواعد تجوید میں کمی زیادتی کرنا پڑ جائے، حالانکہ یہ معلوم نہیں کہ کن باتوں سے

ایمان ختم ہو جاتا ہے، کن باتوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے یا سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔ معاملات معاشرت میں میرے اوپر کیا فرائض ہیں۔ باقی رہا باطنی اخلاق، ان کی اچھائی بُرائی تو کسی پر ظاہر ہی نہیں ہوتی، ناموری چاہنے والے کو اس کی کیا ضرورت۔

(۴) اور عوام میں خدمتِ خلق اور خیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا لیکن اپنی آمدنی میں حلال حرام کی پرواہ نہ کرنا، فرض ادا کرنے کی فکر نہ کرنا، اپنے ماں باپ، بہن بھائی رحم کے رشتوں کی خدمت میں سستی بلکہ قطع رحمی تک کو گوارا کئے رہنا ان سب مثالوں میں غیر اہم کاموں کو فرائض پر مقدم کرنا یا تو ناموری و شہرت کے جذبہ سے ہوتا ہے یا جہالت سے ہوتا ہے۔

۱۱ جن علماء کی ان کے علوم و فنون کی وجہ سے شہرت ہو جاتی ہے اور وہ بڑے عالم کے نام سے مشہور ہوتے ہیں ان سے اگر کوئی نماز روزہ کا خصوصاً حج کا مسئلہ پوچھے تو خواہ یاد ہو یا نہ ہو وہ ضرور اس کا جواب اپنی عقل سے بلا تکلف دے دیتے ہیں۔ ان کو یہ کہنا بہت گراں ہوتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کسی اور سے پوچھ لو۔ آخرت کا وبال لینا سہل معلوم ہوتا ہے، حالانکہ انکار کرنے میں کوئی سبکی کی بات نہ تھی۔ غلط بتانے میں جہالت، آخرت کی جواب دہی سے غفلت اور تکبر کی علامت ہے۔

ضروری تنبیہ

ان مثالوں میں غور کرنے سے تکبر کا پتہ چل سکتا ہے، لیکن یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اس طرح کا غور و فکر صرف اپنے بارے میں کرے اور خود کو متکبر جان کر زندگی بھر اس کے علاج کی طرف متوجہ ہو لیکن دوسروں کے بارے میں علامات کی تلاش میں نہ رہے اور ان کو متکبر نہ سمجھے۔ کیونکہ اس صورت میں یہ خود ہی اس مرض کا شکار ہو جائے گا۔ دوسروں کی

عیب بینی ایک مستقل بیماری ہے اور اس انمول نصیحت کو پوری طرح یاد رکھے جو حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے کی تھی۔ چنانچہ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

مرا پیر دانائے روشن شہاب | دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آں کہ بر خویش خود بیں مباش | دگر آں کہ بر غیر بد بیں مباش

یعنی میرے روشن ضمیر پیر شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ نے کشتی میں بیٹھے ہوئے مجھے دو نصیحتیں فرمائی تھیں۔ ایک یہ کہ اپنے بارے میں کبھی خود بینی میں مبتلا نہ ہونا اور خود کو اوروں سے بہتر تصور نہ کرنا اور دوم یہ کہ دوسروں کے بارے میں بد بیں اور اُن کو حقیر و ذلیل سمجھنے والے نہ بننا۔ یہ نصیحت نہایت اہم اور قدر کے لائق ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی تھی کہ اپنے عیوب پر نظر کرنا تمہیں غیروں کے عیوب پر نظر کرنے سے روک دے۔

تجسّس یعنی لوگوں کے عیب تلاش کرنے اور اُن کی غیبت سُننے کی اجازت کی صورتیں

۱؎ اولاد ۲؎ شاگرد ۳؎ وہ دوست جس کی اصلاح کا حق دوسرے دوست پر عائد ہوتا ہو ۴؎ مرید جس نے اپنی اصلاح کا کام صدق دل سے شیخ کے سپرد کر رکھا ہو پس اصلاح کی غرض سے ان کے عیبوں کی کرید کرنا اور اُن کی غیبت سُن لینا درست ہے لیکن شرط یہ ہے کہ دل سے اُن کو حقیر و ذلیل اور خود کو اُن سے افضل تصور نہ کرے اور اس تعلق کے بغیر بلا ضرورت عیبوں کا تلاش کرنا اور غیبت کا سُننا جائز نہیں۔ جس

طرح کسی کا ستر دیکھنا ڈاکٹر حکیم کیلئے تو علاج کے وقت درست ہے اور ان کے سوا اوروں کے لئے حرام ہے۔ اور اگر بلا ارادہ کشف یا فراستِ عقل سے کسی کی حرکت پر تکبر کا شبہ ہو جائے تو اولاً خود نادم و شرمندہ ہو اور اپنے کو عیب میں شمار کر کے استغفار کرے اور اپنے اس معلوم ہونے کو ظنی ہی سمجھے اور اس پر یقینی ہونے کا حکم نہ لگائے لیکن اپنے اندر بدگمانی کے عیب کو یقینی تصور کرے، کیونکہ کبر پوشیدہ مرض اور قلبی امر ہے، اس کی ظاہری علامتیں اپنے حق میں تو یقینی ہیں اس لئے کہ اپنے حال کا تو غور کرنے سے پتہ چل ہی جاتا ہے لیکن دوسرے کے حق میں یہ علامتیں مشتبہ ہیں، اور وجہ یہ ہے کہ بعض میں تکبر کی صرف صورت ہوتی ہے نہ کہ اس کی حقیقت بھی، بلکہ طبعی عادت یا کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے تکبر کی طرح حرکات سرزد ہوتی ہیں۔

مثلاً:- ۱ بات کرتے وقت گردن یا آنکھوں کی مخصوص صورت۔

۲- بیٹھتے وقت کہنیاں باہر کو نکالنا۔

۳- طبعی نفاست کی وجہ سے ماتھے پر شکن پڑنا۔

۴- آگے ہو کر ممتاز اور صاف اور عمدہ جگہ پر بیٹھنا۔

۵- جلد بازی کے سبب اپنا کام دوسروں کے کام سے پہلے کرانے کی کوشش کرنا۔

۶- طبعی وضعداری اور شرم کی وجہ سے بازار جانے یا بازار سے سودا اُٹھا کر لانے، عادت کے خلاف لباس پہننے میں اور ان کے علاوہ اور چیزوں میں گرانی محسوس کرنا۔

تنبیہ

جو باتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں اُن پر تکبر کا حکم لگا دینا جس میں یہ باتیں ہوں اُس کو متکبر قرار دینا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔

ﻋ۱ کسی کبر والے کا تکبر توڑنے کے لئے ایسا برتاؤ کرے جس سے اس برتاؤ کرنے والے کی بڑائی ظاہر ہوتی ہو۔

ﻋ۲ حق تعالیٰ شانہٗ کی نعمت کے اظہار کے لئے یا کسی کو نفع پہنچانے کیلئے اپنے اوپر حق تعالیٰ کے کسی انعام کا یا اپنی فضیلت کا ذکر کرے۔

ﻋ۳ کوئی اپنی سادگی کی بناء پر حق تعالیٰ کے عطاء فرمائے ہوئے کمالات بیان کرے اور یہ خیال نہ ہو کہ لوگ مجھے بڑا سمجھیں بلکہ اس کے برعکس یہ سوچ کہ میری ان باتوں کو سُن کر مجھے متکبر اور ریا کار تصور کریں گے۔

تنبیہ ۲

چالاک اور ہوشیار متکبرین کی طرح یہ حرکت بھی نہ کرے کہ دل میں تو تکبر بھرا ہو اور تواضع اور عاجزی کے رنگ میں یا کسی اور طریق سے اپنے کمالات کا اظہار کرے۔

تنبیہ ۳

چونکہ تکبر پوشیدہ اور دل سے تعلق رکھنے والی برائی ہے اور یہ ظاہری علامات مشتبہ ہوتی ہیں اور پوری طرح واضح نہیں ہوتیں اس لئے کسی پر متکبر ہونے کا حکم لگا دینا آسان نہیں ہے، اور اسی بناء پر باوجود اس کے کہ تکبر زنا سے بھی شدید ترین گناہ ہے لیکن اس پر دنیا میں شرعی حد اور سزا جاری نہیں ہوتی، ہاں آخرت میں زنا سے بھی زیادہ سزائیں آئی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ (سزا کے بغیر) جنت میں نہیں جائے گا۔

اس سے زیادہ اور کیا برائی ہوگی۔ اس لئے خود تو معمولی سے احتمال

پر بلکہ کامل احتیاط کی بناء پر عیب بینی اور بدگمانی سے پرہیز کرے اور اگر یہی برائیاں دوسروں میں نظر آئیں تو ان کو تکبّر پر محمول نہ کرے۔

فصل سوم

علاج

تکبّر کی وعیدوں اور سزاؤں میں غور کرے اور اُس کی بُرائی اور اس کے نقصانات کو ذہن میں پُوری طرح حاضر کرے، پھر اپنے باطن میں تلاش کرے کہ تکبّر کی کیا کیا علامتیں پائی جاتی ہیں، اور یقین کرے کہ مَیں بیمار ہوں اور علاج کا محتاج ہوں۔ تکبّر کے دو علاج کلی ہیں جو بالخصوص تکبّر کے اور اس کے علاوہ دوسرے تمام رذائل کے دور کرنے میں مشترک ہیں، اور آسان بھی ہیں اور کامیاب بھی۔

(۱) یہ کہ خود کو کسی محقق مبصر اور ماہر طبیب کے سپرد کر دے اور ان کو تمام حالات کی اطلاع دیتا رہے اور ان کی بتائی ہوئی تدبیر پر دل وجان سے عمل کرے۔ اس فکر و کوشش پر حق تعالےٰ شانہٗ کی رحمت وعنایت متوجہ ہوگی اور شیخ کی تربیت اور اُن کے فیض سے تواضع اور عاجزی پیدا ہو جائے گی۔ اور ذکر وشغل بھی جاری رکھے اس سے دل پر حق تعالیٰ شانہٗ کی عظمت ظاہر ہوگی اور اُن کی صفات کی تجلی کا مشاہدہ ہوگا اور اس سے بندہ کا سرکش نفس پگھل جائے گا اور اس میں سے تکبّر اور سرکشی کی

جڑیں اُکھڑ جائیں گی اور باطل آرزوئیں فنا ہو جائیں گی اور حقیقی تواضع اور عاجزی پیدا ہو جائے گی اور تکبر بالکل نیست و نابود ہو جائے گا اس کے لئے شیخ کی صحبت اور اُن کو اپنے حالات کی اطلاع دینا اور اعتقاد و محبت کے ساتھ ان کی تجویز پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔ اگر صحبت کی نعمت نصیب نہ ہو سکے تو خط و کتابت کے ذریعہ تعلق قائم رکھے نیز شیخ کے مشورہ سے قریب رہنے والے دوستوں میں سے کسی عزیز کو اپنا نگران مقرر کرلے تاکہ وہ نازیبا حرکتوں پر ٹوکتا رہے اور اپنی اصلاح کیلئے رو رو کر اور عاجزی وزاری کے ساتھ دُعا بھی کرتا رہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق اصلاح کے سلسلہ میں دو چیزیں ضروری ہیں جن کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے ایک اطلاع دوسری اتباع۔ اِن دونوں باتوں کو خود یاد رکھیں۔ اس اصلاحی تعلق کے نتیجہ میں تعلق مع اللہ پیدا ہوگا، اللہ پاک کا عشق اور اُس کی حضوری حاصل ہو گی۔ عشق اور حضوری کی حالت میں اپنی بڑائی اور تکبر کا کیا سوال اپنا وجود بھی عدم معلوم ہوگا، البتہ کمال تواضع کی وجہ سے اپنے پر تکبر کا شبہ ہوا کرے گا "عشق آں شعلہ است کہ چوں بر افروخت ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت" ۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علتہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

تبلیغی جماعت کے ساتھ چلّہ

اور دوسرا علاج یہ ہے کہ وقت نکال کر اپنی اصلاح کے لئے تبلیغی جماعت کے

ساتھ سفر کرے اور اس سفر میں ذکر کی پابندی رکھے اور امیر کی فرمانبرداری بھی کرے اور اُن کے کہنے سے بیان بھی کر دیا کرے لیکن تبلیغ اور نصیحت کی نیت لے نہ کرے بلکہ اپنی اصلاح اور امیر کی فرمانبرداری کے ارادہ سے کرے۔ تکبّر وغیرہ رذائل کی اصلاح کے جتنے اسباب ہیں وہ اس تبلیغی کام میں جمع ہیں۔ مثلاً اوّل اپنے محبوب ماحول اور ضروری مشاغل سے نکلنے کی قربانی کی جاتی ہے، مال کمانے کی بجائے اس راستہ میں مال اس طرح خرچ کیا جاتا ہے کہ ریاء اور جاہ کا سبب نہیں ہوتا کہ زیادہ تر اپنے پر ہی خرچ ہوتا ہے۔ صلحاء کی صحبت ملتی ہے جس میں ہر وقت آخرت کے تذکرے، موت کی یاد اور آپس میں محبت پیدا کرنے کے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں اور اپنا بستر خود اُٹھائے اُٹھائے پھرنا اور اللہ کے لئے دوسرے ضعیف رفقاء کی خدمت کرنا، خود کھانا پکانا، غرباء کے ساتھ مل کر کھانا، خود برتن دھونا، پیدل سفر کرنا، مساجد میں زمین پر سونا، کبھی گرمی سردی، کبھی بھوک پیاس کو برداشت کرنا، کبھی سونے جاگنے کی بےنظمی وغیرہ جملہ جسمانی مجاہدے سے نفس کی قوت ٹوٹتی ہے، پھر گشت میں لوگوں کی ناگوار باتیں برداشت کی جاتی ہیں۔ اللہ کے لئے اُن کے ساتھ تواضع اختیار کی جاتی ہے، ان کی بداخلاقی پر صبر کیا جاتا ہے، بلکہ اُن کے لئے دُعائیں کی جاتی ہیں، اُن کو بات سمجھانے اور منانے کے لئے دل سوزی کی جاتی ہے، اُن کی خوشامد کی جاتی ہے۔ تقریر و بیان کی عادت اور تجربہ نہ ہونے کے باوجود مجمع کے اندر ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے، ساتھیوں کے حقوق ادا کرنے اور اپنے حقوق چھوڑنے، بڑوں کا اکرام کرنے اور چھوٹوں پر شفقت کرنے کی مشق ہوتی ہے۔ جاہ و مال کے ذکر کی بجائے اللہ کی بڑائی اور اللہ سے سب کچھ ہونے اور اپنے لاشئے ہونے کا ذکر ہوتا ہے۔ بُرائیوں کو دور کرنے والی حقیقی نماز پڑھنے کو سیکھنا اور عمل میں لانا ہوتا ہے۔ تلاوت و ذکر کی تسبیحات کی پابندی ہوتی ہے جس سے

دل میں نور اور نرمی پیدا ہوتی ہے ، ان سب چیزوں کے فضائل کی تعلیم اور ضروری علم کا سیکھنا سکھانا ہوتا ہے جس سے اپنی جہالت اور کوتاہی سامنے آتی ہے غرض اس کام میں مجاہدہ ، ذکر ، نیک صحبت ، تعلیم ، دُنیا سے یکسوئی ، امیر کی اطاعت وغیرہ اصلاحِ نفس کے سب ضروری اجزاء شامل ہیں اور وہ سب امور ہیں جس کو اعلٰے ایمانی واحسانی کیفیت پیدا کروانے کے لئے مشائخ سلوک طریقت سے پہلے ان کے پابند ہونے کو لازم بتایا کرتے ہیں اور وہ حضرات یہ ابتدائی معمولات انفرادی طور پر تعلیم کرتے ہیں ۔ تبلیغی جماعت میں اس کی اجتماعی صورت ہے جس سے اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح بھی ہوتی ہے ۔ اسی لئے آجکل اُمت کے عمومی بگاڑ کی حالت میں اس عمومی طریقِ کار کی بہت ضرورت ہے ۔ جیسا کہ عام حالات میں حفظانِ صحت کے مراکز اور باقاعدہ شفاخانے کافی ہوتے ہیں لیکن کسی مرض کی وبا ر عام ہونے پر ان پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ محلّہ درمحلّہ گھوم کر گھر گھر پہنچکر ٹیکے اور دوائیں تقسیم کی جاتی ہیں ۔ اس میں ماہر ڈاکٹروں کی زیرِ سرپرستی عوام سے بھی کام لیا جاتا ہے ۔ آجکل اس تبلیغی کام کی افادیت اور نتائج کی بناء پر علماء مشائخ اس کی ضرورت پر بہت زور دیتے ہیں اور اہل باطن مشائخ تو بشارتوں اور تائیدِ غیبی کی بناء پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کام پر خصوصی توجہ ہونا بیان فرماتے ہیں اور اس کام پر اللہ تعالیٰ کی عنایتِ خاصہ وقبولیت کا اعلان فرماتے ہیں ۔ تکبر کے علاج کے سلسلہ میں مشاہدہ ہے کہ جن لوگوں نے اصولوں کے تحت اپنی اصلاح کی نیت سے کچھ وقت لگایا ہوتا ہے ان میں تواضع کی صفت نمایاں ہوتی ہے ۔ اُن کی تواضع سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تبلیغی جماعت کا آدمی ہے ہاں جو کوئی دوسری اغراض کے تحت کام کرتا ہو اور اپنی اصلاح کی نیت نہ رکھتا ہو تو یہی کام اس میں عجب پیدا کر دیتا ہے کہ وہ دوسرے کسی بھی دینی کام

اور دینی شخصیت کو خاطر میں نہیں لاتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی دوا تقسیم کرنے والا دن رات خوب کام کرکے یہ سمجھنے لگے کہ بس کام تو میں کرتا ہوں یہ ڈاکٹر اور محکمہ صحت کے کرسیوں پر بیٹھنے والے افسران سب بیکار ہیں۔ یہ غلط نتیجہ اصولوں کے ضائع کر دینے سے ظاہر ہوتا ہے تبلیغ، علم و ذکر کوئی بھی لائن ہو، اصولوں کے خلاف اور آداب کی رعایت نہ ہونے سے ہر جگہ غلط نتائج نکلیں گے۔

تواضع پیدا کرنے کی چند دیگر ترکیبیں

ان میں سے جو تدبیر اپنے حال کے مناسب ہو اُسے خود بلا تکلف یا تکلف کے ساتھ اختیار کرے اور دوسرے ضرورتمندوں کو بھی اس پر عمل کرنے کا مشورہ دے۔ اس کوشش و محنت کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ کا فضل شاملِ حال ہوگا اور اصلاح کی اور صحیح راستہ پر پڑنے کی صورت نکل آئے گی۔ اور بزرگوں کی چند حکایتیں بھی درج کی جائیں گی اور اُن سے یہ پتہ چل جائے گا کہ ان حضرات نے اصلاح کے سلسلہ میں کیسی کیسی تکلیفیں اُٹھائی ہیں۔

اوّل علاج کے شروع میں ہر روز وقت مقرر پر آدھ گھنٹہ یا اس سے کم، سب سے یکسو اور تنہا ہو کر اپنی پیدائش اور موجودہ حالت اور انجام ان تینوں میں غور و فکر کیا کرے یعنی یہ سوچے کہ میری اصل کیا ہے ۱۔ ناپاک پانی کے قطرہ سے بنا۔ ۲۔ پھر ناپاک خون سے پرورش پائی۔ ۳۔ اِس وقت بھی آنکھ، کان، ناک اور مُنہ سب میں گندگی بھری ہوئی ہے۔ ۴۔ پیٹ میں تو خالص اور بے انتہا بدبودار اور کافی مقدار میں نجاست بھری ہوئی ہے جس کو لادے ہوئے پھر رہا ہوں۔ اس میں سے اگر اندر سے ذرا بھی ہوا نکلتی ہے تو اتنی بدبودار ہوتی ہے جس سے پاس بیٹھنے والوں کو بھی نفرت ہوتی ہے اور خود بھی

شرمندگی اُٹھانی پڑتی ہے، حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی ستاری سے پردہ پوشی فرمارکھی ہے۔ نہ تو نجاست نظر آتی ہے اور نہ ہر وقت اس کی بدبو ظاہر ہوتی ہے۔ ۵ پیٹ بھرنے کے بعد اس کے نکالنے کی ضرورت بھی پیش آتی ہے جس کے لئے تنہائی میں یا لوگوں سے دور جنگل میں جانا پڑتا ہے اور آسانی کے ساتھ خارج ہو جاتی ہے۔ اگر یہ رُک جائے اور بند پڑ جائے تو سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔ ۶ نیز مرنے کے بعد ظاہری جسم بھی سڑ جاتا ہے، یہ بھی حق تعالیٰ شانہٗ کی ستاری ہے کہ جلدی سے نہلا کر اور خوشبو لگا کر مٹی میں چھپا دینے کا حکم فرمایا ہے اگر یہ جسم دو یا تین روز پڑا رہے تو ایک مُردے کی بدبو سے پورا محلہ پریشان ہو جائے اور گھر چھوڑ کر باہر بھاگ جائے۔ پھر قبر میں جو حالت پیش آتی ہے وہ بھی خوب معلوم ہے کہ پیٹ پھٹ کر نجاست باہر آجاتی ہے اور آنکھیں بھی نکل کر گر پڑتی ہیں اور آخر میں سارے گوشت کے کیڑے بن جاتے ہیں اور بھیانک اور بے انتہا نفرت کے لائق ہو کر مٹی بن جاتا ہے اور مٹی میں مل جاتا ہے۔ یہ سوچ کر اپنی تکبر سے بھری ہوئی خصلتوں پر زبان سے بھی آہستہ آہستہ کہے کہ یہ تو تیری حقیقت ہے اور اس پر بھی دوسروں کی غیبت کرتا ہے، حسد کرتا ہے، بڑائی کے کام کرتا ہے۔ تو بہت ہی بیوقوف ہے، تو بہت نالائق اور مجرم ہے۔ اللہ کی بخشش اور رحمت کے سوا تیرا کوئی ٹھکانا نہیں۔

اسی طرح روز آدھ گھنٹہ صرف کرے پھر وقت کم کرتا جائے۔ جب اپنی ذلت کا استحضار ہو جائے اور دل میں اس کا تصور پوری طرح جم جائے تو یہ مراقبہ کبھی کبھی کر لیا کرے اگر اس کی بھی فرصت نہ ملے تو کم از کم بیت الخلاء ہی میں اپنی حالت میں غور کر لیا کرے کیونکہ وہاں تو کوئی اور کام نہیں ہوتا اور وہاں اس کا سوچنا اس لئے بھی آسان ہے کہ نظر بھی آرہا ہے۔ دوسرے وقت میں یہ باتیں بھی سوچا کرے جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

۱۔ یہ موجودہ غلاظت کی حالت تو غیر اختیاری ہے اور اس میں گناہ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے ستاری فرما کر اس حالت کو چھپا رکھا ہے اور ظاہری جسم کو پاک اور صاف بنایا ہے لیکن اپنی حقیقت تو پوری طرح معلوم ہے پھر تکبّر کا موقع کہاں ہے۔

۲۔ اس کے علاوہ باطنی اور معنوی گندگیاں جن میں تکبّر اور دوسری شہوات سب ہی شامل ہیں یہ بھی ظاہری نجاست سے کسی درجہ میں کم نہیں ہیں بلکہ لاکھ درجہ بڑھکر ہیں۔ جیسے اپنے پچھلے راستہ سے نجاست کا باہر نکالنا ایک نفرت کے لائق اور شرم والا کام ہے لیکن اس کو ضروری حاجت کہتے ہیں اس لئے اس میں گناہ نہیں ہے بلکہ فراغت حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ تقاضے کی حالت میں نماز بھی مکروہ ہوتی ہے اس حالت میں غور کرنے سے اپنی حقارت و ذلت واضح ہو جاتی ہے اور عاجزی کی نعمت نصیب ہو جاتی ہے جو حق تعالیٰ شانہٗ کے یہاں محبوب و مرغوب ہے، یہ صفت اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام اور قبولیت و فیوض و برکات کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے پھر یہ عمل سُنّت کے مُطابق اور عمدہ ترین نیت سے ہو تو یہ نیک کام شمار ہو کر آخرت کا ذخیرہ بن جاتا ہے لیکن باطنی گندگی کا مادّہ جو اس جسم میں موجود ہے اگر اس کو پرورش کیا چاہے دل ہی میں رکھے، یا قول و فعل و عمل کے ذریعہ ظاہر بھی کر دیا تو انسان سخت مجرم بن کر سیکڑوں قسم کے حیوانی اور شیطانی گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اپنی سب خرابیاں سوچنے سے معلوم ہو سکتی ہیں اور جن کو بھول گیا ہے وہ بھی اعمالنامہ میں تو لکھی ہوئی موجود ہیں جن پر آخرت میں رُسوائی اور عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بہت کچھ ستاری فرما رکھی ہے، ہمارا باطنی حال لوگوں کو معلوم نہیں ورنہ لوگ نفرت کریں اور کوئی قریب بھی نہ آوے۔ اس مادّہ کے موجود ہونے کے پیشِ نظر تو انسان

حُسنِ خاتمہ سے پہلے کُتّے اور سور سے بھی بدتر ہے کیونکہ سور میں کفر کرنے کا مادّہ نہیں ہے
بڑے سے بڑے بزرگ بھی اس خوف سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں کہ یہ مادّہ کسی
وقت پھوٹ پڑے اور خاتمہ کفر پر ہو جائے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہو گیا تو یقیناً کتّے اور
سور اس سے افضل ہوں گے، کیونکہ وہ تو قیامت کے دن مٹی ہو جائیں گے اور انسان
ہمیشہ دوزخ میں جلتا رہے گا۔ اس وقت یہ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود مٹی ہو جانے
کی تمنا کرے گا "یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا" اور جو یہاں خود کو مٹا کر مٹی میں ملا دیتا
ہے اُس کو اللہ تعالیٰ رفعت اور بلندی عطا فرماتے ہیں۔ حدیث میں ہے "من
تواضع لِلّٰہ رفعہ اللہ" جو اللہ کے لئے عاجزی اختیار کرتا ہے اللہ پاک اُسے
بلند کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اپنے باطنی عیوب اور ساری عمر کے کئے ہوئے گناہوں کو سوچا
کرے جو غور کرنے سے یاد آسکتے ہیں۔ نیز یقین کرے کہ میرے اعمالنامہ میں سب کا
ریکارڈ موجود ہے اور ہر گناہ اپنی پوری کیفیت اور گواہوں اور وقت اور جگہ سمیت
موجود ہے اور جن گناہوں سے توبہ کر چکا ہے معافی کی امید رکھتے ہوئے اُن کا سوچ لینا
کافی ہے۔ اس سے شرمندگی اور ڈر پیدا ہو گا اور تکبر، حسد، چغلی، غیبت وغیرہ سب
چیزیں مٹ کر بے نام و نشان ہو جاتی ہیں، پھر عاجزی پیدا ہو کر حق تعالیٰ شانہٗ کی
رحمت شاملِ حال ہو گی۔ یہ سب گندگیاں کھاد کا کام دیں گی اور رفعت و بلندی
نصیب ہونے کا ذریعہ بن جائیں گی۔ اسی طرح جب اپنے اعمال کی باطنی حالت میں
غور کرے گا تو نماز اور دوسرے نیک اعمال بھی گناہ نظر آنے لگیں گے۔ مثلاً نماز کی
باطنی حالت و کیفیت کہ اس میں اخلاص اور احسان، خشوع خضوع اور توجہ الی اللہ
کا حکم ہے لیکن ہماری نماز سراسر غفلت و وساوس کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے
کھڑے ہو کر اُن سے مخاطب ہونے میں جو حالت ہونی چاہیئے کیا ہماری حالت وہی ہے

اس میں غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ ہم ادنیٰ درجہ کے حاکم کے سامنے بھی اس طرح بے فکری اور لااُبالی پن سے کھڑے نہیں ہوتے جس طرح اپنی نماز میں اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ افضل العبادات کا حال ہے تو باقی عبادتوں کا کیا حال ہوگا۔ اسی طرح اپنی ایمانی حالت میں بھی غور و فکر کرے کہ وعدہ وعید کی آیات و احادیث پر کس درجہ کا یقین ہے۔ نتیجہ یہی نکلے گا کہ قبر، حشر، جنت، دوزخ کے متعلق بالکل سرسری عقیدہ ہے جو کہ زندگی پر اثر انداز نہیں ہوتا، دُنیوی نفع نقصان کی خبروں پر جو اثر اور عملی حالت ہوتی ہے اس کے مقابلہ میں اللہ و رسولؐ کی خبروں کا اثر کچھ بھی تو نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہماری حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم دنیا اور آخرت کے دو خدا الگ الگ مانتے ہیں۔ اسی طرح غور کرنے پر دل سے استغفار کرنے کی توفیق نصیب ہوگی اور اپنے نیک اعمال پر نظر نہیں رہے گی بلکہ صرف اللہ کی رحمت پر نظر ہوگی، پھر حق تعالیٰ شانہٗ حقیقی عزت و رفعت عطاء فرمائیں گے، لیکن یہ عزت حق تعالیٰ کی جناب میں تذلل اور تواضع اختیار کرنے پر موقوف ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے وہ اس کا درجہ بلند فرما دیتے ہیں۔ ۱۲ مراقبہ کے بعد صلوٰۃ التوبہ کی نیت سے دو رکعت نفل پڑھے اور جن ظاہری اور باطنی عیوب کا استحضار ہوا ہے اُن پر خوب ندامت کے ساتھ توبہ کرے۔ بالخصوص تکبر دور کرنے کیلئے دُعا کرے۔ یہ سب اشغال کم از کم چالیس دن تک کرتا رہے۔

۲ نمونہ کے طور پر تکبر کی جو علامتیں بیان کی ہیں اگرچہ ان سب میں تکبر کا پایا جانا ضروری نہیں ہے لیکن احتمال تو ہے اور نفس کو ان میں تکبر نہ ہونے کا دھوکہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ نفس اور شیطان جو ہر وقت اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اُن کا کام یہی ہے کہ ہمیشہ دھوکہ دینے کی کوشش میں لگے رہیں۔ ان عادات و

اطوار کو تکلف کے ساتھ اہتمام کر کے ختم کرے۔ مثلاً گفتگو، چال ڈھال، لباس و حرکات میں کچھ عرصہ کے لئے نفاست پسندی، طبعی نزاکت، وضعداری وغیرہ ان میں سے کسی چیز کا بھی خیال نہ کرے اور نہ کسی کے اچھا بُرا سمجھنے کی طرف توجہ کرے، ظاہری بیماریوں اور زخموں کے لئے بعض دفعہ ہسپتالوں میں مخصوص لباس پہنتے ہیں اور ایک وقت میں کئی طرح کی پٹیاں باندھتے ہیں اور کچھ بھی خیال نہیں کرتے اسی طرح اس مہلک بیماری کے دور کرنے کے لئے کم از کم یہ کرے کہ نہایت سادہ لباس پہن لے جو اس کی حیثیت سے کم درجہ کا ہو اور یہ نہ سوچے کہ لوگ حقیر سمجھیں گے یا صورت و شکل سائلوں جیسی بن جائے گی اور لوگ بخیل کہیں گے اور طعنے دیں گے۔ یہ تدبیر علاج کے طور پر چند روز کے لئے اختیار کر لے پھر طبیعت و حیثیت کے موافق پہننا شروع کرے۔ غرض یہ سب تدبیریں عارضی ہیں جو چند دن عمل میں لائی ہیں۔

۵ امیر لوگوں سے ملنا جلنا اور اُن کی صحبت ترک کرے خواہ اس میں تبلیغ اور حاجتمندوں کی مدد وغیرہ اس طرح کے منافع بھی فوت ہو جائیں۔

۶ غریبوں کے پاس بیٹھے، ان کی دعوت قبول کیا کرے، ان کی جانی خدمت کرے، یعنی اُن کے کام کیا کرے۔ عوام کی خدمت کرے۔

۷ ملازم اور بچوں کے ہوتے ہوئے گھر کا سودا سبزی، آٹا وغیرہ خود لائے اور اپنی طاقت کے موافق اُسے خود ہی اُٹھائے، بلا ضرورت مزدور بھی تلاش نہ کرے بلکہ جو پیسے مزدوری میں دیتے ہیں انہیں چپکے سے خیرات کر دیا کرے۔

۸ عوام میں سے ہر کسی کو پہلے خود ہی سلام کیا کرے۔ اس بارہ میں تواضع اور خدمت، عوام ہی کی مفید ہے، مشائخ کی خدمت تو فخر اور بڑائی کی چیز ہے۔

۹۔ اپنی غیبت، برائی اور بہتان وغیرہ سن کر دفاع اور صفائی کی فکر نہ کرے بلکہ اپنے باطنی عیوب کے پیشِ نظر شکر کرے کہ میری برائیوں میں سے بہت تھوڑی برائیاں بیان ہوئی ہیں اور اس میں میرا ہی فائدہ ہے کہ گناہوں کا کچھ کفارہ ہو جائے گا۔

۱۰۔ کسی وقت غصہ ظاہر ہو جائے تو چھوٹے سے بھی معافی مانگ لے۔

۱۱۔ اگر کوئی اس کا حق دبا لے یا اس پر زیادتی کرے تو اپنا حق وصول کرنے کی اور بدلہ لینے کی کوشش نہ کرے۔

۱۲۔ ہر ایک کی نصیحت اور رائے کو ماننے کیلئے تیار رہے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ نصیحت طبیعت کے خلاف ہو اور شریعت کے خلاف نہ ہو۔ اگر بالکل سمجھ نہ آئے تو کسی دوسرے سے مشورہ کر لے۔

۱۳۔ اگر صدقہ زکوٰۃ وغیرہ کا مستحق ہو اور لیتا بھی ہو تو اُسے چپکے لینے کے بجائے اوروں کے سامنے قبول کرے اور۔ صدقہ کے بجائے زکوٰۃ زیادہ لیا کرے کیونکہ اس میں تواضع زیادہ ہے نیز صدقہ کے دوسرے مصارف بھی بہت سے ہیں اور زکوٰۃ کا مصرف بعض وقت مشکل سے ملتا ہے، اس لئے اگر لے لے تو اس میں دینے والے کی ایک طرح کی خدمت بھی ہے کہ اُسے فریضہ کی ادائیگی میں مدد ملتی ہے پھر اگر اپنے استعمال کیلئے زیادہ ضرورت نہ ہو تو خفیہ طور پر صدقہ کر دے کیونکہ صدقہ بھی کبر کا ایک علاج ہے۔

۱۴۔ موت کو کثرت سے یاد کیا کرے اور جس جگہ بھی موقع مل جائے پوری کوشش کے ساتھ میت کی تجہیز و تکفین میں شرکت کیا کرے۔ بالخصوص اپنے ہاتھ سے نہلائے اور خود قبر میں اُتارے۔ اگر نہلانے کا تجربہ نہ ہو تو پانی ڈلوادے یا کوئی اور خدمت بجا لائے۔ اس قسم کی تدابیر میں سے وہی تدبیر مفید ہوگی اور علاج سمجھی جائیگی

جو طبیعت اور نفس پر گراں ہو اور حیثیت کے خلاف ہو۔ اور زیادہ مفید بھی اُسی وقت تک ہے جب تک یہ گرانی رہے، اور عادت ہو جانے پر اثر بھی کم ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں چھوڑ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ مسلسل استعمال کے بعد دوا بھی غذا بن جاتی ہے، یعنی مفید تو ہوتی ہے لیکن دوا کی طرح زیادہ اثر نہیں کرتی۔ پس اگر مریض ان علاجوں کا پہلے ہی سے عادی ہو تو اُس کو اِن کے علاوہ اور دوسرے علاج اختیار کرنے ہوں گے۔ مریض کا مزاج صوفیانہ ہے اور وہ امیروں سے نہیں ملتا اور فقراء کی خدمت کرتا ہے تو اب اس کو امیر لوگوں کی خدمت کرنی چاہیئے کیونکہ اس کا تکبر بزرگی کی لائن کا ہے۔ نیز اگر وہ تجارت اور مزدوری وغیرہ نہیں کرتا تو اُس کو ضرورت نہ ہونے کے باوجود بھی تجارت وصنعت وغیرہ میں مشغول ہونا چاہیئے۔ پس یہ تدبیریں مریضوں کے حالات کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہیں۔

۱۵ تنہائی میں مذکورہ بالا مراقبہ کرے اور تکبر والوں اور تواضع والوں کے قصے بھی پڑھا کرے جس کے لئے "اکابر کا تقویٰ"، "اکابر علماء دیوبند" وغیرہ کتب بہت مفید ثابت ہوں گی۔

۱۶ علاج کے سلسلہ میں ملفوظات مولانا سعید احمد خاں صاحب

ایک حدیث میں آیا ہے "تمعددوا واخشوشنوا وامشوا حفاۃً" پر عمل کرے۔ یعنی "سادہ کھاؤ، موٹا پہنو اور بغیر جوتے کے چلا کرو"۔ اس کے علاوہ تکبر کا علاج یہ بھی ہے کہ نصف پنڈلی تک کرتا اور شلوار باندھو اور عمامہ باندھنے کی عادت ڈالو اور کپڑے کو پیوند لگائے بغیر نہ چھوڑو۔ اور کبھی سرکہ، ردی کھجور، جو کی روٹی بھی کھایا کرو۔ گدھے پر سواری بھی کیا کرو۔ یہ سب تکبر کے علاج کی نیت سے کیا کرو۔ جان انجان کو خود پہل کرکے سلام کیا کرو۔

متّقی حضرات کے لئے لمحۂ فکریہ

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و رحمت سے بندہ کو ایسے دینی ماحول میں خادمانہ تعلق نصیب فرمایا ہے جہاں تعلیم و تبلیغ، تصوّف درویشی سارے ہی دینی شعبوں سے متعلق قدیم جدید، خواص عوام، پختہ و خام مختلف حضرات سے واسطہ پڑتا ہے۔

اِس ماحول میں جہاں باہمی محبّت، خلوص، دینی خیر خواہی، دینی فضائل کے حصول کی کوشش، مال وجاہ کا ایثار، صل من قطعک کی تعمیل کے مناظر، خدمت کے مواقع پر آگے اور جاہ کے مواقع میں سب سے پیچھے رہنے بلکہ چھپے رہنے وغیرہ کے حالات دیکھے۔ وہاں نفس و شیطان کو انہیں دینی اعمال میں اس کے برعکس ایسے جذبات بھی پیدا کرتے دیکھا کہ ان کی حرکات نے خالص دُنیاداروں کو بھی مات کر دیا۔ اس پر خود اس طبقہ سے اور اس طبقہ کے قریب کے دنیادار طبقہ سے اشکالات ہوتے رہتے ہیں اُن کے جواب کو بیان کرنے کا عرصہ سے خیال تھا کیونکہ حضرت مرشدی دامت برکاتہم کی برکت سے اس شیطانی سازش کی حقیقت قلب پر تو بہت واضح تھی مگر بیان پر قدرت اور اس کی لیاقت نہیں۔ اور ناقص بیان سے بعض ناظرین کے غلط فہمی میں پڑنے کا خطرہ تھا۔

گذشتہ سال حضرت مرشدی کے ارشاد سے ایک رسالہ اکابر کا تقویٰ اور تواضع مرتّب کیا اور اب "تواضع" کی ضد "تکبر" پر لکھا گیا۔ اِن دونوں رسالوں کے مضامین سامنے آنے سے بیان آسان ہوگیا ——————————

—————— اور یہ بھی خیال ہے کہ اگر ناظرین ان

دونوں رسالوں کو غور سے مطالعہ کے بعد اس مضمون کو دیکھیں گے تو کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہوگی اور میری بات سمجھ میں آجائے گی بلکہ خود اشکال ہی ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بندہ اور ناظرین کو عمل کی بھی توفیق دیں۔ تفہیم کے لئے دو باتیں عرض کرتا ہوں، پھر اشکالات کے جواب عرض کروں گا۔

اوّل یہ کہ اس دین دار طبقہ میں شیطان کو کامیابی اِس صورت سے ہوتی ہے کہ ہر انسان کو زندگی گذارنے کے لئے کچھ مال کی ضرورت ہوتی ہے اور ظلم سے بچنے کے لئے اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے کچھ جاہ کی بھی ضرورت ہے۔ ان ہی دونوں چیزوں یعنی مال وجاہ کا نام دنیا ہے۔ اکثر لوگوں نے ان دونوں چیزوں کے حصول کے لئے ظاہری معروف دُنیاوی ذرائع تجارت، ملازمت حرفت وغیرہ کو اختیار کیا اور دن رات اس میں مشغول ہوئے۔ یہ لوگ دنیادار کہلاتے ہیں۔

چند ایک سمجھداروں نے دنیائے فانی میں مشغولی کی بجائے اپنے اوقات کو اُمورِ آخرت میں مشغول کر دیا۔ بچپن سے آخرت ہی کے متعلق علوم حاصل کئے، بڑے ہو کر دینی خدمات میں اپنے کو وقف کر دیا۔ لیکن زندگی گذارنے کے لئے ان کو بھی کچھ مال وجاہ کی ضرورت تھی۔ اس کے لئے بعضوں نے توکل کیا اور بعضوں نے شرعی اجازت سے اِس معاملہ میں دُنیاداروں کا تعاون حاصل کرنے کیلئے وظائف اور تنخواہ وغیرہ کی تشکیل کی کہ یہ لوگ ان کی ضروریات کے کفیل ہو کر ان کو دینی خدمت کے لئے فارغ رکھیں۔ یہ تشکیل دُنیاداروں کے لئے بھی دارین کے لحاظ سے باعثِ برکت اور اَجر ہوئی اور دینی خدّام کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آئی، کیونکہ انسانی ضرورت کی بناء پر خود شریعت نے کسبِ حلال کو عبادات کے بعد فرض قرار دیا اور ضرورت سے زائد کو مباح۔ لیکن ضرورت سے زائد جاہ کو کہ وہ اصل مقصدِ زندگی یعنی بندگی کے خلاف ہے حرام قرار

دیا۔ انسان کی حقیقی ضروریات تو تھوڑی سی جاہ اور تھوڑے سے مال کے ساتھ پوری ہوجاتی ہیں لیکن انسان کے اندر نفسانی حرص اور اپنی بڑائی و عزت کی زبردست خواہش بھی ہے جس کو پورا کرنے میں بجائے کچھ نفع کے خود انسان کو اور پورے معاشرہ کو سخت نقصانات ہوتے ہیں۔ اس لئے شرع شریف نے نفس کے ان تقاضوں کو مذموم ٹھہرایا ہے۔ جس شخص نے باقاعدہ علاج کرواکر ان غلط و ممنوع تقاضوں کو دبایا نہیں وہ نفس کی مرادوں کو پورا کرنے کی ضرور کوشش کرتا ہے۔ دنیادار تو اپنے دنیا کے نقشوں سے یہ مقصد حاصل کرتے ہیں اور دین دار کہلانے والے اپنے دینی نقشوں مثلاً علمی شہرت شاگردوں، مریدوں کی کثرت، عبادات، اوراد، مجاہدات میں نام پیدا کرنا اور تقوے کے امور میں شور کرکے اہتمام کرنا وغیرہ سے اپنا مقصد پورا کرتے ہیں۔ ان میں بعض کی توجہ دنیا کے ایک جز و مال کی طرف ہے اور اکثر کی توجہ دوسرے جز و جاہ کی طرف ہوتی ہے کہ مال کی طرف براہِ راست توجہ کرنا ان کے منصب اور شان کے خلاف ہے اور مال مادّی چیز ہے اس لئے یہ عیب جلد ظاہر بھی ہوجاتا ہے۔ لیکن جاہ باطنی چیز ہے اور اس کی پکڑ کرنے کا ہر شخص کو حق بھی نہیں۔

یہ دینی طبقہ دنیادار عوام کالانعام کو تو خاطر ہی میں نہیں لاتا، جاہ کا سارا مظاہرہ اپنے ہی طبقہ کے لوگوں میں کرتا ہے۔ انہیں کی غیبت، عیب جوئی، تحقیر اور ان میں سے بعضوں کو گرانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اُن پر اپنی بڑائی، عزت، اپنے تقوے اور تزکیہ کے اظہار کرنے کیلئے راستہ صاف ہو۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کام کرنے والے ہمیں بڑا بناکر رکھیں، ہماری بات مانیں، ہم پر کوئی اعتراض نہ کریں، یا تو نظامت، امارت ہمارے ہاتھ میں ہو یا ہمارا عہدہ بے شک کوئی نہ ہو لیکن قوتِ حاکمہ ہمارے ہاتھ میں ہو۔ اور شیطان اس بات کی طرف متوجہ ہی نہیں ہونے دیتا کہ ان قلبی شیطانی اُمور سے وہ متقی زانیوں،

شرابیوں اور چوروں سے بھی نیچے گر جاتا ہے، کیونکہ بڑائی خاصۂ خداوندی ہے۔ اس کو اختیار کرنے میں خدا کا مقابلہ ہے۔ اس کا تعلق شرک و کفر سے ہے جس کو شیطان نے اختیار کیا اور مردود ہوا۔ اس لئے اِس بغاوت کی لائن کے جرم کی معافی ہی نہیں۔ حدیث پاک میں ہے "لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من اکبر یعنی علی اخیہ المسلم" لیکن چونکہ نفاق کی طرح یہ پوشیدہ امر ہے اس لئے دنیا میں اس پر کوئی حد جاری نہیں ہوئی، گو اس کے نتیجہ میں متکبّر کو دنیا میں بھی رسوائی اور ذلّت اُٹھانی پڑتی ہے اور چوری، زنا وغیرہ حیوانی جرائم کوتاہی غفلت اور رذالت و پستی کی لائن کے جرم ہیں ان پر شہادت اور ان کا یقینی ثبوت مل سکتا ہے۔ شرم و ذلت اس کے ساتھ شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے پیارے بندہ کے نقصان کی خاطر یہ حرکات پسند نہیں اُس نے اپنی رحمت سے ان چیزوں کو منع کیا اور نافرمانی پر دنیا اور آخرت میں ہاتھ کاٹ دینے اور پتھروں سے ہلاک کر دینے کا حکم فرمایا، آخرت میں دوزخ کی وعید سُنائی، لیکن ان حرکات کے مرتکب کو اپنا قصور وار قرار دیا۔ اپنا باغی قرار نہیں دیا۔ جہاں ان گناہوں کا ذکر فرمایا وہاں ان سے توبہ کرنے والوں کے لئے اپنے ستّار غفّار ہونے کا بیان بھی فرمایا۔ اور مرتکب کو توبہ کی توفیق بھی جلد ہو جاتی ہے کہ ان گناہوں کی بُرائی بہت ظاہر اور معروف ہوتی ہے خود گنہگار اپنے افعال کو بُرا سمجھتا ہے، ڈرتا ہے، غفلت اور نفس کے غلبہ کی وجہ سے کر گزرتا ہے لیکن دل سے شرمندہ ہوتا ہے۔ اور ندامت ہی توبہ ہے، گویا توبہ کی بڑی شرط ندامت تو موجود ہی ہوتی ہے، باقی شرائط یعنی گناہ سے الگ ہونا، آئندہ کے لئے بچنے کا عزم کرنا وغیرہ شرائط پوری کر کے توبہ کرنا آسان ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے توبہ کر کے تقوای اختیار کرنے والوں کو ایسا قبول کرتے ہیں جیسا کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ حدیث پاک میں ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ سچی توبہ کرنے والوں کے

نامۂ اعمال سے بھی اُن کا ذکر مٹا دیتے ہیں۔ فرشتوں کو فراموش کرا دیتے ہیں۔ ان کے اعضا اور وہ مقام جہاں یہ جُرم ہوئے وہاں سے اثرات ختم کر دیتے ہیں اور اُن پر کوئی گواہ بھی باقی نہیں رکھتے۔ گناہ تو مٹا دیتے ہیں اور توبہ کرنے کا نیک عمل باقی رکھتے ہیں جس پر اس تائب کو اپنا مقرب بنا لیتے ہیں۔ اور تائب کو جب ان حرکات کا خیال آجاتا ہے تو یہ خیال تکبّر اور عُجب جیسے خبیث امراض سے محفوظ رہنے کا باعث بن جاتا ہے۔ اس طرح ان سابقہ جرائم کو اس کی نیکیوں کے باغ کا کھاد بنا دیتے ہیں۔ ان میں بعض حضرات دوسرے اعمال کے ذریعہ ترقی کر کے اس مقام کے ہو جاتے ہیں کہ ان سابقہ جرائم پر ندامت کی وجہ سے ان کی سیئات حسنات سے بدل دی جاتی ہیں اولٰئك يبدّل الله سيئاتهم حسنٰت۔

ایسا بندہ ہمیشہ بندگی کی صفات یعنی ذلّت وانکساری پر قائم ہو جاتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ اُس کو اپنی طرف سے حقیقی عزّت وبلندی عطا فرماتے ہیں۔ اب یہ حال ہوتا ہے کہ وہ بندہ اپنی نظر میں تو پست ہوتا ہے اور اللہ کی عطا کردہ جاہ سے لوگوں میں معزز ہوتا ہے حدیث پاک میں اس حالت کے طلب کرنے کی ترغیب آئی ہے" اللّٰھمّ اجعلنی فی صغيرًا وفی اعين الناس كبيرًا" اور متکبر جو مخلوق کی نظر میں بڑا ہونے کی غلط کوشش کرتا ہے وہ اپنی ہی نظر میں بڑا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ مخلوق کی نظر میں اُس کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ اس مرض کے ساتھ اس کا تقویٰ طہارت وکثرتِ عبادت سب کچھ اس مرض کو بڑھانے کا ذریعہ بن کر اللہ تعالیٰ سے بُعد کا سبب بنتی ہیں۔

سب سے پہلے تکبّر کرنے والا جو سات لاکھ برس تک تقدس وتسبیح کا سرمایہ اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا اور ملائکہ کا استاد تھا اُس نے ایک ہی دفعہ انا کا لفظ نکالا تھا پھر دیکھ لو جو ہوا۔
حدیث پاک میں ہے کہ "آدمی جنّت کے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنّت اور اُس کے درمیان صرف ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے، آخر میں ایسا عمل کرتا ہے کہ دوزخ میں

ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کے اعمال میں اخلاص نہیں ہوتا۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی کی ظاہری حالت پر میری نظر نہیں ہوتی بلکہ ملکات پر ہوتی ہے۔ اسی لئے مشائخ کو دیکھا گیا کہ وہ عامی مخلص پر زیادہ متوجہ ہوتے ہیں اور حسبِ متّقی میں کبر محسوس کرتے اُن سے قلبی بُعد ہوتا ہے۔

جس طرح انسان راحت پر شکر اور مصیبت پر صبر کر کے خدا سے جڑ سکتا ہے اسی طرح دونوں حالتوں کے حقوق ضائع کر کے خدا سے کٹ بھی سکتا ہے۔ ایسے ہی کبھی انسان کو پرہیزگاری کی توفیق ہوتی ہے اور کبھی اس پر گناہ مسلط ہوتا ہے، لیکن قلبی حالت کے اعتبار سے کبھی پرہیزگاری خدا سے کٹنے اور گناہ خدا سے جڑنے کا باعث بن جاتا ہے چنانچہ شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری درویشی کی مشہور کتاب "الحکم" میں تحریر فرماتے ہیں :۔

جس معصیت سے مولائے حقیقی کے سامنے ذلت اور افتقار پیدا ہو وہ اُس عبادت سے بہتر ہے جو نخوت و تکبر پیدا کرے۔

شرح :۔ طاعات و عبادات و اذکار کا مقصود یہ ہے کہ بندگی اور اپنے مولیٰ کے سامنے ذلت و افتقار پیدا ہو اور نفس کی سرکشی اور کبر ٹوٹے۔ اور اگر بشریت کی راہ سے گناہ ہو جانے کے بعد مؤمن کے اندر ذلت و انکساری و ندامت اور اپنے نفس کی تحقیر اور اس گناہ سے اپنی ہلاکت جاننا یہ صفات پیدا ہوں اور عبادت کر کے نفس کے اندر نخوت اور مسلمانوں کی تحقیر اور طعن اور اپنے کو عابد جاننا یہ صفات پیدا ہوں تو ایسی طاعت کے ثمرہ سے اس معصیت کا نتیجہ بہتر رہا مگر اس کا مطلب کوئی بدفہم یہ نہ سمجھے کہ طاعت کو چھوڑ کر معصیت اختیار کرے معصیت کا قبیح ہونا اور طاعت کا بہتر اور حسن ہونا بالکل ظاہر بات ہے۔

یہاں شیخ کو اس پر آگاہ کرنا منظور ہے کہ اصل مقصود بارگاہِ عالی تک رسائی ہے اور اس کو حاصل کرنے کیلئے ذلت و افتقار کا حاصل کرنا اور کبر و نخوت کو دور کرنا ضروری ہے۔

گناہ اور نافرمانی کے وقت جس قدر تو حلمِ خداوندی کا محتاج ہے بندگی اور طاعت کرنے کے وقت اس سے زیادہ اس کے حلم کا محتاج ہے۔

شرح:۔ بندہ کا کمال اور مرتبہ اور تمام عبادات کا اصلی مقصود یہ ہے کہ بندہ کی نظر ہر امر میں اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی ہو جیسے بھک منگا سائل ہوتا ہے۔ اور بندہ کی پستی اور ہلاکت اس میں ہے کہ اپنے نفس کی طرف متوجہ ہو اور اپنے عمل کو پسند کرے۔ اور اپنے فعل کو اچھا جانے اور اپنی قدر اس کے دل میں ہو۔ ایسا بندہ اللہ کی بارگاہ سے مردود ہوتا ہے۔ اس کے بعد سمجھو کہ مؤمن کی شان گناہ صادر ہو جانے کے بعد یہ ہے کہ انکسار، عاجزی ندامت، ذلت اور اپنے نفس کی نفرت اور بارگاہِ الٰہی میں تضرع وزاری و توبہ پیدا ہوتی ہے، یہی صفت عین مقصود اور بندگی کا کمال ہے اور طاعت وعبادت کے بعد بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نظر اس عمل پر ہوتی ہے اور اس کو اچھا سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو مطیع عابد اور حق کا ادا کرنے والا اور مستحقِ ثواب جانتا ہے تو اس حالت میں اس کی نظر اپنے نفس پر ہوئی تو اس وقت عجب نہیں کہ اس پر غضبِ الٰہی ہو اور ناراضامندی کا مورد بنے۔ پس ایسی طاعت پر یہ بندہ حلمِ خداوندی کا گناہ کرنے کے وقت سے زیادہ محتاج ہے۔

خدا کی قسم تیرا جاہل کا ہمنشیں ہونا جو اپنے نفس سے ناراض ہے، تیرے لئے اس عالم کی صحبت سے جو اپنے نفس سے رضامند ہے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس عالم کے لئے جو اپنے نفس سے راضی ہے اس کا علم کیا مفید ہے اور اس جاہل کے لئے جو اپنے نفس سے ناراض ہے اس کا جہل کیا مضر ہے۔

شرح:۔ کیونکہ عالم کی صحبت نافع اور جاہل کی مضر ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے اس لئے

قسم کھا کر شیخ فرماتے ہیں کہ جو شخص علوم ظاہرہ سے جاہل ہو لیکن وہ اپنے نفس سے ناراض ہے اور اس کے قلب میں اذعان اور یقین اس امر کا راسخ ہے کہ میرا نفس مجموعہ ہی تمام شرور و نقائص کا اور میں سراپا عیب و نقصان ہوں۔ اور اپنی خوبی و کمال کا بھول کر بھی وہم و شبہ اس کو نہیں ہوتا تو یہ شخص کامل ہے۔ اس لئے کہ جو شئے جڑ ہے تمام طاعات کی اور کمالات کی وہ اس کو حاصل ہے تو اس کی صحبت تیرے لئے بہتر ہے، گویا درحقیقت وہ شخص جاہل ہی نہیں۔ اور جو شخص علوم ظاہرہ کا ماہر ہو لیکن اپنے حال اور اپنے نفس سے راضی ہو اور اس کو پسند کرتا ہو تو خواہ علمی دقائق اس کے اندر ہوں لیکن صحبت مضر ہے اس لئے کہ جو چیز ہر عیب و غفلت اور معصیت کی جڑ ہے وہ اس کے اندر موجود ہے۔ اور گو اس کا ظاہری علم بظاہر اس کو شریعت کا پابند بنائے ہوئے ہے لیکن اس کی حالت خطرناک ہے اور اس پر کسی طرح اطمینان نہیں ہے۔ اور ضرور یہ مرض کبھی نہ کبھی اپنا رنگ لائے بغیر نہ رہے گا۔ اور جو اس کی صحبت میں رہے گا تو چونکہ صحبت کا اثر مسلمات میں سے ہے اس لئے اس کے اندر بھی یہ مرض ضرور پیدا ہو گا کہ اپنی تحقیقات علمیہ اور اپنے حال کو پسند کریگا۔ اور یہ عین غفلت ہے۔ اور یہ مرض بہت دقیق ہے اس لئے کہ جس کے اندر ہوتا ہے اُس کو خود اس کا ادراک نہیں ہوتا اس لئے کہ اس مرض کی حقیقت ہی اپنے حال کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنا ہے۔

شیخ المشائخ حضرت شیخ الحدیث صاحب دام مجدہٗ اپنے رسالہ "اسٹرائک" میں فرماتے ہیں کہ "جس ماحول (جو شریعت و طریقت کا مخزن تھا) میں اس سیہ کار کی پرورش ہوئی ہے اُس میں شیطانی جرائم حیوانی جرائم سے بہت زیادہ شدید سمجھے جاتے تھے، پھر جوں جوں روایات حدیث پر نظر ہوئی یہ چیزیں دل میں جگہ ہی پکڑتی گئیں۔ حیوانی جرائم میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد من قال لآ الٰہ الا اللہ

دخل الجنۃ وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر[1]"۔ اور شیطانی جرائم میں "لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من کبر" پہلی نوع میں "ہلا سترتہ بردائک[2]" اور دوسری میں حضرت ابوذرؓ کے تعبیر بالام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پاک ارشاد "انک امرءٌ فیک جاھلیۃ[3]" نے دوسری نوع کی نفرت دل میں اس قدر سخت کردی کہ اس کی کراہیت جذر قلب میں بیٹھ گئی۔

حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کا جرم پہلی نوع کا تھا۔ خود حق تعالیٰ نے کلماتِ توبہ القا فرما کر توبہ قبول کرلی۔ اور ابلیس کا جُرم دوسری نوعیت کا تھا، "فاخرج فیھا انک رجیم وان علیک لعنتی الی یوم الدین" کا ابدی پروانہ قیامت تک کی لعنت ملا۔

---

[1] عن ابی ذرؓ قال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلیہ ثوب ابیض وھو نائم۔ ثم اتیتہ وقد استیقظ فقال ما من عبد قال لا الٰہ الا اللہ ثم مات علیٰ ذٰلک الا دخل الجنۃ قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق، قلت ان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق، قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر وکان ابوذر اذا حدث بھذا قال وان رغم انف ابی ذر، متفق علیہ۔

[2] حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے حضرت ھزال رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر چار دفعہ زنا کے بارے میں اقرار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرعی قاعدہ کے مطابق انکو رجم کرنے کا حکم فرمایا لیکن حضرت ھزالؓ سے فرمایا کہ اگر تو اُس کی پردہ پوشی کرلیتا تو تیرے لئے بہتر تھا۔

[3] حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں "ایک دفعہ میں نے اپنے ایک غلام کو (بطور گالی اور عار دلانے کے) کہدیا تھا "او کالی کے بیٹے"! اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اے ابوذر تم نے اس کو ماں کی گالی دی ہے؟ تمہارے اندر تو یہ جاہلیت کی ایک خصلت ہے"۔

غرض متقی حضرات کو دارین کی ترقی سعادت وعزت حاصل کرنے کے لئے شیطانی طریق کو چھوڑ دینا چاہیئے یعنی اپنی بڑائی کی فکر میں دوسروں کو گرانے کی فکر چھوڑ دینا چاہیئے اور جاہ کے حاصل کرنے کی اسکیموں کو اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔ پھر دیکھیں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ارشاد من تواضع للہ رفعہ اللہ کے مطابق حقیقی عزت و بلندی دیتے ہیں۔

ہمارے اکابر میں قطب العالم شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ جب اپنے مرشد حضرت میانجیو صاحب قدس سرہ کے یہاں سے خرقہ خلافت سے مشرف ہوئے تو روانگی کے وقت حضرت مرشد نے فرمایا کہ کیا چاہتے ہو، تسخیر یا کیمیا؟ حضرت حاجی صاحبؒ یہ فقرہ سُن کر رو پڑے اور عرض کیا کہ صرف محبوب حقیقی کی خواہش ہے، دنیا کی کوئی چیز نہیں چاہیئے۔ مرشد نے سینہ سے لگایا دُعائیں دیں۔ پھر اُن کی جو عزت و بلندی ہوئی دیندار طبقہ سے مخفی نہیں۔

حضرت میانجیوؒ کے دوسرے خلیفہ حضرت حافظ ضامن صاحب قدس سرہٗ

"ارواح ثلاثہ" میں ہے کہ جب کوئی حافظ محمد ضامن صاحب کے پاس آتا تو فرماتے کہ دیکھ بھائی اگر تجھے کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو وہ (مولانا شیخ محمد کی طرف اشارہ کرکے) بیٹھے ہیں مولوی صاحب ان سے پوچھ لے، اگر تجھے مرید ہونا ہے تو وہ (حاجی صاحب کی طرف اشارہ کرکے) بیٹھے ہیں حاجی صاحب ان سے مرید ہوجا، اور اگر حقہ پینا ہے تو یاروں کے پاس بیٹھ جا۔

اس کیفیت کے ساتھ یہ تینوں اقطاب ایک ہی جگہ رہتے تھے اس لئے اس وقت خانقاہِ امدادیہ دکانِ معرفت کہلاتی تھی۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ حکیم الامت حضرت تھانویؒ ہمیں جن بزرگوں کی

نصیب ہوئی ان میں حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے آپس میں شدید سیاسی اختلاف کے باوجود ایکدوسرے کو بڑھانے اور تواضع کے بارے میں معاملات حضرت مرشدی کے رسالہ "الاعتدال" کے تکملہ میں مطالعہ فرمائیں۔ پھر دونوں کو اللہ نے ایک دوسرے سے بڑھ کر عزتیں دیں۔

حضرت دہلویؒ حضرت رائے پوریؒ کے تواضع کے واقعات بھی ہم آپ نے دیکھے اور سنے اور یہ بھی دیکھا کہ اللہ پاک نے اِس وقت سارے عالم میں ان کی شہرت و عزت کر دی۔ حضرت مرشد پاک شیخ الحدیث صاحب دام مجدہم کو جب مدینہ پاک میں حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ نے خلافت و اجازت سے نوازا تو حضرت شیخ نے حضرت رائے پوریؒ کے پاؤں پکڑ لئے کہ وہ اِس بات کو کسی پر ظاہر نہ کریں۔ جامعہ مظاہر علوم کی نظامت ان کے سپرد کرنے کی جب تجویز ہوئی تو حضرت نے مجوزین سے فرمایا کہ اگر ایسا ہوا تو آپ حضرات ڈھونڈتے ہی پھریں گے کہ زکریا نام کا کوئی شخص تھا۔ جب مظاہر علوم کی برائے نام تنخواہ کے مقابلہ میں ایک بہت بڑی تنخواہ پر دینی کام ہی کے لئے بہت پُر زور پیش کش ہوئی تو جواب میں کارڈ پر ایک ہی فقرہ لکھدیا کہ

مجھ کو جینا ہی نہیں بندۂ احساں ہو کر

(تفصیلات کے لئے دیکھئے "آپ بیتی")

حضرت شیخ کے یہ مال و جاہ کے چھوڑنے کے واقعات بہت کثیر ہیں، ناظرین کو معلوم بھی ہیں یہاں صرف اِس پہلو کی طرف متوجہ کرنے کیلئے بطور نمونہ لکھے۔ پھر اللہ پاک نے کیا کیا؟ سب کے سامنے ہے کہ دنیا ذلیل ہو کر ہاتھ جوڑے کھڑی ہے اور آخرت کے اعزاز کی بشارتیں اور نشان ابھی سے نمایاں ہو رہے ہیں۔

اس تحریر کو یہاں تک لکھکر ایک دوست کو دکھایا تو انہوں نے فرمایا کہ بہت خوب

ہے، لیکن حقیقی متقی اور متواضع حضرات ہی اس سے فائدہ اُٹھائیں گے۔ جو متقی مخاطب ہیں وہ فرمائیں گے کہ ساری باتیں ٹھیک ہیں، سب لوگوں کو اس پر عمل کرنا چاہیئے مگر یہ خیال نہیں آوے گا کہ ہم خود بھی مریض ہیں کیونکہ ہماری تو اصلاح ہو چکی اور اب تو ہم دوسروں کی تربیت و اصلاح کرنے پر مامور اور مشغول ہیں۔ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ حبِّ جاہ ایسی چیز ہے کہ جو صدیقین کے قلوب سے آخر میں نکلتی ہے۔ آپ اپنے کو متقی سمجھتے ہوئے بھی بےفکر نہیں ہو سکتے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کرتے تھے کہ میرے اندر کوئی نفاق کی بات تو نہیں، بلکہ میرا شمار منافقوں میں تو نہیں۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو دیکھا گیا کہ کمر پر مشک لادے ہوئے مسلمانوں کو پانی پلاتے پھرتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ اے امیر المؤمنین یہ کیا ہے! فرمایا کچھ لوگ بطور وفد آئے تھے اُنہوں نے میری مدح کی اس سے نفس میں انبساط پیدا ہوا، اس کا میں نے یہ علاج کیا۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے کُرتا پہنا وہ اچھا معلوم ہوا تو آپ نے اس کی آستین بالشت بھر کاٹ دی تاکہ عیب پڑ جائے اور بدنما ہو جائے۔

حضرت حکیم الاُمّت فرماتے ہیں کہ یہ وہ حضرات ہیں جن سے زیادہ نفس کے دھوکوں سے محفوظ کوئی نہیں ہو سکتا۔ ان کو اتنا اہتمام اس مرض کا تھا اس بھروسہ پر نہیں رہتے تھے کہ ہم نے نفس کو سنوار لیا ہے۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ ذرا ذکر شغل کر لیا اور مطمئن ہو گئے کہ اب ہم نفس و شیطان کے دھوکہ میں نہیں آ سکتے۔ یہ حضرات عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کی نسبت پورا اعتماد ہے کہ جنت میں ضرور جائیں گے مگر پھر بھی یہ حالت ہے کہ تکبر سے کتنا ڈرتے تھے۔

قطبِ ربّانی شیخ عبدالوہاب شعرانی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو عہد لیا گیا (بطور مکاشفہ) اُس کو پڑھ کر ہمیں اپنے آپ کو سمجھانا چاہیئے، پھر اپنے

باقاعدہ علاج کی فکر کرنا چاہیئے۔

عہد:۔ فرماتے ہیں کہ ہم سے عہد لیا گیا کہ ہم اپنے پاس بیٹھنے والے ہر مسلمان سے اپنے آپ کو کم سمجھیں اگرچہ وہ مسلمان بدحالی میں کیسا ہی انتہا کو پہنچ گیا ہو۔ مگر ہم اپنے نفس کو اس سے کم ہی سمجھیں۔ تمام سلف صالحین کا مذاق یہی تھا، رضی اللہ عنہم جیسے وہب بن منبہؒ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ اور حسن بصریؒ اور سفیان ثوریؒ، فضیل بن عیاضؒ تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ اس وقت تک متواضع نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ گھر سے نکل کر لوٹنے تک کسی کو اپنے سے کم نہ سمجھے۔ اور بندے کی طرف عبدیت کا کوئی درجہ اس وقت تک منسوب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی تمام طاعات کو ریا اور تمام حالات وکیفیات کو جھوٹے دعوے نہ سمجھے۔ اور میں نے سیدی علی خواص سے سنا وہ فرماتے تھے کہ تکبر اور رعونت والوں میں سے جو کوئی اس بات میں شک کرے کہ اس کا نفس اس کے پاس بیٹھنے والے سے کمتر ہے اس کو چاہیئے کہ اپنی تمام ان لغزشوں اور گناہوں کی جو اتنی عمر میں اس سے سرزد ہوئی ہیں اپنے نفس کے سامنے پیش کرے پھر ان سے ان نقائص کا مقابلہ کرے جو اس کے پاس بیٹھنے والوں کے اندر اس کے علم میں ہیں تو غالب یہ ہے کہ اپنے گناہوں کو پاس بیٹھنے والے کے نقائصِ معلومہ سے یقیناً زیادہ جانے گا، کیونکہ اکثر یہی قاعدہ ہے کہ انسان اپنے نقائص کو دوسرے کے نقائص سے زیادہ جانتا ہے (بشرطیکہ سوچے) اور جو شخص گناہوں میں اپنے ہمنشین سے بڑھا ہوا ہو وہ مرتبہ میں بھی اس سے کمتر ہوگا۔ پس اب کیا حق ہے کہ اپنے آپ کو اس سے افضل سمجھے۔ اور بعض لوگوں کو جبکہ دوسروں کے گناہوں کا پوری طرح علم نہیں ہوتا تو یہ خیال کر لیا کرتے ہیں کہ اس کے بھی گناہ بہت ہوں گے (اگرچہ میں نہیں جانتا) لیکن کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ صرف گمان اور تخمین سے اپنے پاس بیٹھنے والے کو

کثرتِ معاصی میں اپنے پر قیاس کرے اور دل ہی دل میں یوں کہے کہ ایسے شخص سے یہ بات بعید ہے کہ خدا نے اس کو ان گناہوں سے محفوظ رکھا ہوگا جو مجھ سے سرزد ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ یہ بدگمانی ہے (اور یہ بدگمانی جائز نہیں) اور اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ کسی کو دوسرے کے عیوب اپنے عیوب سے زیادہ معلوم ہیں تب بھی اُس کو لائق یہی ہے کہ دوسرے کے عیوب پر نظر کرنا چھوڑ دے اور اپنے گناہوں کی وجہ سے خوفِ خدا میں مشغول ہو۔ اگرچہ اپنے گناہ دوسرے کے گناہوں سے شمار میں کم ہی معلوم ہوں۔ کیونکہ ہر مکلف کو اپنے گناہوں کی وجہ سے اہتمام کے ساتھ خوفِ خدا کو دل میں جگہ دینا دوسروں کے گناہوں کو شمار کرنے کی فکر میں پڑنے سے زیادہ بہتر ہے۔ خصوصًا جبکہ یہ بھی خبر نہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کس بات پر مواخذہ کریں گے اور کس گناہ سے چشم پوشی فرمائیں گے۔ ممکن ہے خدا اُس کو معاف فرمادے اور تم سے مُواخذہ کرلے۔

اور اس سے بھی ترقی کر کے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ فرض کرلو تمہارے اندر بہت سی خوبیاں ہیں اور کوئی بھی عیب نہیں۔ اور دوسرے شخص میں کوئی بھی خوبی نہیں بلکہ تمام عیوب موجود ہیں۔ جب بھی تم اپنے کو اس سے افضل نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ قاعدہ شرعیہ ہے الاعمال بالخواتیم کہ اعمال کا اعتبار خاتمہ سے ہوتا ہے۔ تمہیں کیا معلوم کہ تمہارا خاتمہ انہیں اعمال پر ہوگا یا تقدیر میں کچھ اور ہی لکھا ہے۔ اور کیا عجب ہے کہ جو شخص اِس وقت سراپا گناہ ہی گناہ ہے اُس کا خاتمہ اچھا ہوجائے اور تم سے مرتبہ میں بڑھ جائے۔ اور یہ خیال کرلینا چاہیئے کہ جس خدا نے دوسرے کو نیک اعمال کی توفیق نہیں دی وہ اس پر بھی قادر ہے کہ نیک اعمال کی توفیق تم سے سلب کر کے اس کو دیدے۔ بڑائی اور عظمت اللہ پاک کی ذات کیلئے زیبا ہے۔ بندہ کو عاجزی اور خاکساری ہی میں نجات ہے۔ تواضع اصل عبادت ہے کیونکہ عبادت غایت ذلّت کو کہتے ہیں۔ پس اے عزیز! نفس کو ہر پاس بیٹھنے والے

مسلمان سے کمتر مشاہدہ کر۔ اس کے بعد حق تعالیٰ شانہٗ تجھ کو تیرے ہمسروں پر بلندی عطا فرمائیں گے۔ کیونکہ حدیث صحیح میں ہے "من تواضع لِلّٰہ رفعہ اللہ" جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے خدا تعالیٰ اُس کو بلندی عطا فرمائیں گے۔

حق تعالیٰ نے ہم کو اس واسطے اپنا بندہ نہیں بنایا کہ ہم اپنے آپ کو کسی بھی مخلوق سے افضل سمجھا کریں بلکہ حق تعالیٰ نے اس سے ہم کو بہت سختی سے منع فرمایا ہے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ارشاد فرمایا ہے لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر یعنی علی احد المسلم۔

اشکالات اور ان کا جواب

دیندار طبقہ پر جو اشکالات عموماً کئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ باتیں لوگوں کیلئے ہدایت کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ وہ اس طبقہ کی اخلاقی پستی اور معاملات کی خرابی سے متعلق ہوتی ہیں۔

اس بارے میں طبقۂ مذکور اور اشکالات کرنے والے دونوں فریقوں کی خدمت میں الگ الگ عرض کرنا ہے۔ دین دار حضرات کے سامنے تو زیادہ طویل کلام کی ضرورت نہیں کہ ان میں اکثر حضرات صاحبِ علم ہیں، وہ خود اس موضوع پر بہت اچھی تقریریں اور تصنیفات کر سکتے ہیں۔ ان سے صرف اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ اس رسالہ میں اکابرین کے ملفوظات اپنی ذات کے خاطر پڑھکر اُمّ الامراض کا فکر کرلیں، پھر نہ تو آپ کو کسی سے شکایت ہوگی نہ کوئی آپ پر اعتراض کرے گا۔ اور جو اس دیندار طبقہ میں صاحبِ علم نہیں ہیں وہ یہ ملحوظ رکھیں کہ کامل دین کے تقاضوں کے پانچ شعبے ہیں، عقائد، عبادات، معاشرت، معیشت اور اخلاق۔ ان کی اہمیت میں ترتیبِ مذکور کے باوجود آپس میں جوڑ ہے۔ مثلاً کوئی عقائد و عبادات میں پورا ہو لیکن معاملات میں گڑبڑ ہونے کی وجہ سے حرام کھانے اور حرام پہننے سے اس کی خشوع خضوع سے اہتمام سے پڑھی ہوئی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ کسی کے تین پیسے بھی اپنے ذمہ رہ گئے ہوں تو اُس کے بدلے پانچ سو فرض قبول نمازیں دینا پڑیں گی۔ اس طرح تھوڑے سے پیسوں کے بدلے سارا قیمتی سرمایہ چلا جائے گا۔ اسی طرح اخلاقی خرابی میں مثلاً حسد ہے تو اس کی وجہ سے بڑی بڑی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں، کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا

ہے جیسے آگ سوکھی لکڑیوں کو۔ غیبت کرنے سے اپنی محنت سے کی ہوئی نیکیاں دوسرے کے نامۂ اعمال میں منتقل ہو جاتی ہیں اور ان کے ختم ہو جانے پر اس کے گناہ غیبت کرنے والے کے نامۂ اعمال میں درج ہو جاتے ہیں۔ یہی حال دیگر حقوق تلفی کا ہے، اور عقائد کی خرابی کے ساتھ تو کسی عملِ خیر کا اعتبار ہی نہیں۔ یہ حضرات بھی اگر اُمّ الامراض کا فکر کرلیں تو انشاء اللہ مکمل دین پر عمل کی توفیق اور توجہ ہو جائے گی۔

اب اشکال کرنے والوں کی خدمت میں عرض ہے کہ موت سر پر کھڑی ہے۔ پہلے اپنے اُوپر ہونے والے مطالبات کے جواب کی فکر کریں، پھر اگر تفصیل مطلوب ہو تو حضرتِ اقدس شیخ الحدیث صاحب کے رسالہ "الاعتدال" کا مطالعہ کریں۔ اور جن کو اس کی توفیق نہ ہو تو وہ اسی رسالہ سے منقول مندرجہ ذیل مختصر امور کو غور سے پڑھیں۔

۱۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اشکالات خواہ کسی بھی جماعت یا طبقہ کے متعلق ہوں اُن میں اکثر کی بنا، غلط فہمی، سُنی سُنائی باتوں پر یقین کرلینا اور بدظنی وغیرہ ہوتی ہے۔ یہاں اس نوع کا ذکر مقصود نہیں بلکہ حقائق اور واقعات کے پیشِ نظر کچھ عرض کرنا ہے۔

۲۔ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم الاعتدال میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ کیا ہر شخص جو اہلِ علم کے لباس میں ہو، کسی عربی مدرسہ میں طلبار کے رجسٹر میں نام لکھا چکا ہو یا تقریر دل چسپ کرتا ہو یا تحریر اچھی لکھتا ہو وہ عالم ہے اور علمار کی جماعت کا فرد ہے؟ اس لئے ہر شخص کی بات کو لے کر اور سُن کر علمار کی طرف منسوب کر دینا ظلم (اور اپنی جہالت) نہیں تو اور کیا ہے۔ کیا کھرا کھوٹا، اصلی جعلی، واقعی مصنوعی دنیا کی ہر چیز میں نہیں ہے۔ دیکھو دنیا کی قیمتی سے قیمتی چیز سونا چاندی اور جواہرات ہیں اور ضروری سے ضروری اور ہر شخص کا محتاج الیہ پیشہ حکیم و ڈاکٹر کا پیشہ ہے۔ تو پھر کیا دونوں قسمیں ایسی نہیں ہیں جن میں کھرے سے کھوٹا زیادہ اور اصلی سے نقلی زیادہ نہ ملتا ہو، یا واقعی

سے مصنوعی بڑھے ہوئے نہ ہوں تو پھر کیا حکیموں اور ڈاکٹروں کو اس وجہ سے گالیاں دی جاتی ہیں کہ ان کے لباس میں مصنوعی اور خطرۂ جان طبیب زیادہ ہیں۔ یا ہر سونے چاندی اور جواہرات کو اس وجہ سے پھینک دیا جاتا ہے کہ وہ نقلی اور مصنوعی زیادہ ہوتے ہیں نہیں نہیں بلکہ ان چیزوں میں یہاں تک افراط کی جاتی ہے کہ جہاں مشہور اور واقف طبیب میسّر نہیں ہوتا تو وہاں جان بوجھکر ایسے ہی طبیبوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ یہ کیوں اس لئے کہ ضرورت سخت ہے اور طبیبِ حاذق کے پاس فوراً پہنچنا مشکل ہے۔ یہ فرق اس واسطے ہے کہ علاج کو ضرورت کی چیز سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ کو واقعی دینی ضرورت ہے، مثلاً کوئی مسئلہ پوچھنا ہے یا بیعت ہونا ہے تو چھان بین کر کے تلاش کریں ابھی تک دنیا خالی نہیں، آپ کی مناسبت اور عقیدت کا کوئی نہ کوئی آدمی مل ہی جائے گا۔

۳ے اور اگر آپ کو کوئی معاملہ نہیں کرنا محض دوسروں کی دینی خیر خواہی اور دیندار طبقہ کی بدحالی کے درد سے تبصرہ فرمانا ہے تو یقین کرلیں کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے اپنے سے بےفکری کی علامت ہے، آپ پر اُمّ الامراض کا حملہ ہے۔ اپنے آپ کو پاک تو کوئی نہیں کہتا بلکہ جھوٹی زبان سے سب کہتے ہیں کہ ہم تو سب سے بُرے ہیں، گناہگار ہیں، مگر ان بزرگ حضرات پر فلاں اشکال حیران و پریشان کئے ہوئے ہے۔ اگر سچائی سے کوئی اپنے کو بھی گناہگار سمجھے تو سارے اشکال و حیرانی ختم ہو جائے ؎

ہوئی جب تلک اپنی نہ خبر ۔۔۔ رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنے گناہوں پہ جب کہ نظر ۔۔۔ تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

حدیث پاک میں ہے، حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو وصیّت فرمائی کہ تمہارا اپنے عیوب پر نظر کرنا تمہیں دوسروں کے عیوب پر نظر کرنے سے روکدے۔

ہے کچھ حضرات واقعی اخلاص سے صورتِ حال پر حیران ہوں گے، ان کے اطمینان کے لیے کچھ وضاحت بھی کی جاتی ہے۔

حضرت شیخ دامت برکاتہ "الاعتدال ص ۲۲ میں فرماتے ہیں کہ "تغیر زمانہ کا اثر دنیا کی ہر چیز پر ہے تو اہلِ علم اس سے باہر کیسے جا سکتے ہیں: زمانہ جتنا بھی زمانۂ نبوت سے دور ہوتا جائے گا اُتنے ہی فتنے و شرور اس میں بڑھتے جائیں گے۔ لیکن ہم لوگ اپنے اندر ہر قسم کے ضعف و انحطاط کو تسلیم کرتے ہیں مگر اہلِ علم کے لئے وہی پہلا منظر چاہتے ہیں اور اسی معیار پر جانچنا چاہتے ہیں۔ جب قوائے جسمانیہ کا ذکر آجائے ہر شخص کہتا ہے اجی وہ قوتیں اب کہاں ہیں۔ لیکن جب قوائے روحانیہ، مجاہداتِ علمیہ کا ذکر آئے تو ہر شخص جنید، شبلی، بخاری، غزالی کے اوصاف کا طالب اور خواہشمند بن جاتا ہے حالانکہ دینی انحطاط کی پیشین گوئی خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:-

"تم پر کوئی سال اور کوئی دن ایسا نہیں آئے گا جس سے بعد والا سال اور دن اس سے زیادہ بُرا نہ ہو، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو"

مناوی کہتے ہیں کہ یہ دین کے اعتبار سے اور اکثریت کے لحاظ سے ہے یعنی بعض افراد کا اس سے خارج ہونا موجبِ اشکال نہیں۔

علقمی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ کوئی دن ایسا نہ آئیگا جو علم کے اعتبار سے گذشتہ دنوں سے کم نہ ہو۔ اور جب علماء نہ رہیں گے اور کوئی نیک باتوں کا حکم کرنے والا اور بُری باتوں سے روکنے والا نہ رہے گا تو اُس وقت سب ہی ہلاک ہوجائیں گے۔

"ایک حدیث میں ارشادِ نبویؐ ہے کہ صلحاء ایک ایک ہو کر اُٹھ جائیں گے اور لوگ ایسے رہ جائیں گے جیسے کہ خراب جَو اور خراب کھجور (کیڑا لگی ہوئی) کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کی ذرا بھی پرواہ نہ کریں گے۔ اس لئے دین اور دینی امور کا انحطاط، کمی ضعف تو سب ہی کچھ ہو کر رہے گا، ایسی حالت میں صلاح وفلاح کی سعی کرتے ہوئے جو کچھ موجود ہے اُس کو مغتنم سمجھنا ضروری ہے کہ اس کے بعد اس سے کمی ہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔"

(الاعتدال)

اس بات سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اِس وقت دین کے وجود اور قیام کا انحصار مدارس، مساجد، خانقاہوں کی آبادی، تبلیغی اداروں اور جماعتوں کے وجود پر ہے اور ہر شعبے میں مزید ترقی و توسیع کی ضرورت ہے۔ اور یہ کام صرف دو چار معیاری شخصیتوں کی ذات سے پورا نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے اِس لائن کے ہزاروں خدام دین اور اُن کے ہزاروں معاونین کی ضرورت ہے۔ ایک طبقہ نے اپنے کو اس کیلئے وقف کر رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب معیاری نہیں ہو سکتے۔ اگر یہ سب حضرات اپنے ناقِص ہونے کی بناء پر دینی خدمات چھوڑ دیں تو مذکورہ تمام سلسلے بند ہو جائیں جس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ان حضرات کی کوتاہیوں پر نظر کرنے کی بجائے اُن کی عزت اور حوصلہ افزائی کرنا چاہیئے اور اللہ سے اُمید کرنا چاہیئے کہ وہ کریم اُن کی حسنات وخدمات کو قبول فرما کر ان کی تقصیرات سے درگذر فرمائیں گے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں:-

کہ "آدمی کو اپنی فکر میں ہر وقت مشغول رہنا چاہیئے، دوسروں کی تنقید یا عیب جوئی کی فکر میں نہ پڑنا چاہیئے۔ خاص طور سے اکابر کے جو معتمد مقتدیٰ وعلماء ہوں ان کے اقوال وافعال کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے۔ خلاف شرع میں اتباع کسی کا نہیں لیکن ان کے

اقوال وافعال کی ذمّہ داری تم پر نہیں۔ مجھ سے چند سالوں سے ایک لغو سوال کثرت سے خطوط میں کیا جارہا ہے کہ فلاں حضرت نے فلاں کو کیوں اجازتِ بیعت دے دی؟ میں تو ان لغویات کا جواب اکثر یہ دیا کرتا ہوں کہ جب قبر میں منکر نکیر تم سے یہ سوال کرینگے تو تم بے تکلف کہہ دینا کہ مجھے خبر نہیں۔ آخرت کا معاملہ بڑا سخت ہے۔ اور عُجب، پندار اور دوسروں کی تحقیر، تنقیص یہ نہایت خطرناک امور ہیں۔" (آپ بیتی ۵)

سالکانِ راہِ حق کے بارے میں حضرت شاہ سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات جو کہ حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے صراطِ مستقیم میں مرتب فرمائے ہیں:-

اس میں ہے کہ "بخل، حسد، تکبر، غیبت، کینہ، ریاء، طمع جیسی بد عادتوں کے ساتھ سالکانِ راہِ حق کے نفوس کا آلودہ ہو جانا اُن پر رحمانی فیض کے نازل ہونے اور خدائی عنایات کے وارد ہونے سے محرومی کا بڑا قوی سبب ہے۔ سلف صالحین ان رذائل کا تزکیہ نہایت ضروری جانتے تھے اور ان کو صرف خدائے تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے اپنے دل سے دور کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کا کچھ اثر باقی نہ رہتا اور اُن کے دل صاف ہو جاتے اسی لئے بے نہایت مہربانیوں کا مورد ہوا کرتے تھے اور اسی تصفیہ کی وجہ سے "جو محض اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کی واسطے عمل میں لاتے" مقبول ہو جاتے۔ اور جو شخص سلوک کے مراتب طے کرنے کے باوجود آثارِ عنایت کا مورد نہ بنے تو بے شک ان تمام رذائل یا بعض کے آثار اس میں موجود ہوں گے۔ پس ان رذائل کا وجود عنایاتِ الٰہی کے ورود کا مانع ہے۔"

(پہلے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گذر چکا کہ تمام رذائل کا خلاصہ تکبر ہے اگر یہ دُور ہو جائے تو باقی خود دور ہو جاتے ہیں) آگے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:-

"پس اس زمانہ کے لوگوں کے مناسب حال یہ ہے کہ معرفتِ الٰہی کی طرف پہنچنے کے واسطے

جس طرح شغل اور مراقبہ کرتے ہیں اسی طرح ان امور کے واسطے مراقبہ اختیار کریں اور بدون اس کے بارگاہِ قبولیت میں پہنچنے کو محال سمجھیں اگرچہ معرفت کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں لیکن عنایت اور قبول کے راستے سے نہیں بلکہ ایک اور دروازہ سے پہنچتے ہیں جہاں قبول اور نامقبول کی کوئی پرسش نہیں ہے[٥٠]۔

رذائلِ مذکورہ سے خالی ہونے اور نیک عادتوں کے ساتھ مزین ہونے کے سوا شیطان اور نفس کی شرارتوں سے بچ کر اس مقام میں پہنچنا ممکن نہیں اور ان بدعادتوں کا چھوڑ دینا تو اس چوبدار اور نقیب کی مانند ہے جو خود بخود انسان کو مقامِ مقصود (قبولیت) پر پہنچا دیتا ہے اور بعض اوقات اس بارگاہ سے ایک خاص اجتباء حاصل ہو جاتا ہے کہ اعمال کی کثرت اور تکلیفوں اور مشقتوں کے اُٹھانے کے بغیر ہی آدمی کو قبولیت سے کامیاب کر دیتا ہے۔

آگے چل کر اس اُم الامراض (تکبر) کے علاج کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کی نسبت تکبر ظاہر ہو گیا تو حد سے زیادہ اس کے سامنے ذلت اختیار کرے اگرچہ اس قدر تذلل اور تعظیم کی وجہ سے لوگوں کی مجلسوں میں اس کی حرکات کی نقلیں ہوں اور اپنے ہم جنسوں میں اس پر ہنسی اُڑے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہے اور

٥٠۔ چنانچہ اگر کسی کو کثرتِ ذکر سے ملکۂ یادداشت اور دیگر احوالِ رفیعہ حاصل ہو جائیں مگر تواضع حاصل نہ ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ اس کو ابھی تعلق باللہ یا نسبت معتبرہ بمعنی قبول حاصل نہیں ہوا۔ البتہ یہ ممکن ہے بلکہ آجکل ایسا ہی ہوتا ہے کہ اخلاق کی درستگی سے پہلے اشغال وغیرہ سے وصول یا ایک گونہ نسبت حاصل ہو جاتی ہے، پھر اخلاق کی درستی آسان ہو جاتی ہے۔ تکبر کا ختم ہونا، تقویٰ تواضع کا پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر نہیں ہوتا تو یہ احوال قبولیت کی علامت نہ ہوں گے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ بندہ کو اپنی رحمت سے یاد فرماتے ہیں تو اس کے رذائل دور فرما دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب بندہ کو محبت کے ساتھ اپنے مالک کی حضوری حاصل ہو گی تو وہ سراپا تواضع بن جائے گا اور یہی حقیقی بزرگی ہے اور جو شخص محض احوالِ رفیعہ پر اپنی بزرگی خود ثابت کرے وہ اسی قدر ذلیل ہو گا۔

اپنے آپ کو اُس کے طالبوں کی سلک میں داخل کرنا چاہتا ہے تو کسی بات کی پرواہ نہ کریگا تم دیکھتے نہیں کہ معززا میرزادہ ہوتا ہے وہ ہیجڑوں کی محبت کا شکار ہو کر وہ سب باتیں جن کو کوئی سلیم الطبع آدمی گوارہ نہیں کرتا دل و جان سے قبول کر کے اُنہیں اوضاع و اطوار کے ساتھ بازاروں اور گلی کوچوں کے سامنے پھرا کرتا ہے۔ اگر سچا خدا کا طالب ہے تو ان امور سے ہرگز انکار نہیں کریگا جو عقل اور شریعت کے بالکل موافق ہیں۔ گو مرضیاتِ الٰہی سے بے خبر لوگوں کی ناقص عقلوں کے مخالف ہوں۔ اور تذلل سے بھی یہ بناوٹی تذلل یعنی سر جھکا لینا اور زمین چوم لینا مطلوب نہیں بلکہ ہر مقام میں اور ہر جگہ میں اس کی حقیقت جُدا اور علیحدہ ہے۔ مثلاً جو شخص کہ مشائخ کے لباس میں ہو اور مشائخ میں سے کسی شخص کی بہ نسبت تکبر کیا ہو تو اُس کو چاہیئے کہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرے کہ لوگوں کو اس امر کا یقین ہو جائے کہ اس شخص نے اس شخص سے طریقت کا فائدہ حاصل کیا ہے، اور اپنے نقصان کو اس کی صحبت میں پُورا کیا ہے۔

"اللہ تعالےٰ سے ملنے کا قریب ترراستہ"

ملفوظ حضرت سید احمد کبیر رفاعی قدس سرہٗ:- فرمایا "دوستو! مَیں نے اپنی جان کھپا دی اور کوئی راستہ ایسا نہ چھوڑا جس کو طے نہ کیا ہو۔ اور صدق نیت اور مجاہدہ کی برکت سے اس کا صحیح راستہ ہونا معلوم نہ کر لیا ہو مگر سُنتِ محمدی پر عمل کرنے اور ذلّت انکساری والوں کے اخلاق پر چلنے اور سراپا حیرت و احتیاج بننے سے زیادہ کسی راستہ کو بہت قریب اور زیادہ روشن اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب نہیں پایا۔ صدیقِ اکبر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا شکر ہے اُس نے اپنے تک پہنچنے کا ذریعہ عاجزی کے سوا کچھ نہیں بنایا کیونکہ عاجزی تو ہر شخص آسانی سے حاصل کر سکتا ہے کہ انسان تو سر سے پیر تک عاجز ہی ہے۔ اگر اور کوئی طریقہ اللہ تک پہنچنے کا اسکے سوا ہوتا تو مشکل پڑ جاتی۔ اللہ تعالیٰ کے پلنے سے اپنی عاجزی اور کمزوری کو سمجھ لینا ہی اللہ تعالیٰ کو پا لینا ہے۔" (البنیان) واللہ الموفق وھو المستعان۔ **محمد اقبال** ۲۲ شوال ۱۳۹۰ھ

تصنیفاتِ عالیہ و تالیفاتِ مبارکہ

برکۃ العصر، قطب العالم، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی (۱) اپنی تصانیف (۲) اور وہ تصانیف جو حضرت والا کے امتثالِ امر میں حضرت والا کی خواہش کے مطابق حضرت والا کے معتمدین نے حضرت والا کے خزینۂ علم سے استفادہ کرتے ہوئے لکھیں:-

۱- تاریخ مشائخ چشت
۲- خصائلِ نبوی شرح شمائل ترمذی
۳- حکایاتِ صحابہؓ
۴- فضائلِ ذکر
۵- فضائلِ نماز
۶- فضائلِ قرآن مجید
۷- فضائلِ رمضان
۸- اکابر کا رمضان ضمیمہ فضائلِ رمضان
۹- فضائلِ تبلیغ
۱۰- فضائلِ درود شریف
۱۱- فضائلِ حج
۱۲- فضائلِ صدقات - حصہ اول
۱۳- فضائلِ صدقات - حصہ دوم
۱۴- فضائلِ تجارت
۱۵- فضائلِ عربی زبان
۱۶- موت کی یاد
۱۷- تبلیغی جماعت پر چند عمومی اعتراضات اور ان کے مفصل جوابات
۱۸- مکتوباتِ شیخؒ بنام اکابرین
۱۹- مکتوبات تصوف
۲۰- مکتوبات علمیہ
۲۱- معارف الشیخ

* چہل حدیث درود شریف
* منزل برائے دفع سحر

۲۲- کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات
۲۳- الاعتدال فی مراتب الرجال
المعروف بہ اسلامی سیاست
۲۴- خوانِ خلیل (ضمائم)
۲۵- قرآن مجید اور جبریہ تعلیم
۲۶- حجۃ الوداع و عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
۲۷- تقریر بخاری شریف
۲۸- آپ بیتی (اول تا سات)
۲۹- تاریخ مظاہر العلوم
۳۰- مقدمہ ارشاد الملوک
۳۱- مقدمہ اکمال الشیم
۳۲- داڑھی کا وجوب
۳۳- اختلاف الائمہ
۳۴- رسالہ اسٹرائک
۳۵- شریعت و طریقت کا تلازم
۳۶- اکابر علماء دیوبند
۳۷- فتنۂ مودودیت
۳۸- نسبت و اجازت
۳۹- تحفۃ الاخوان فی بیان احکام تجوید القرآن
۴۰- نصائح حج و مکتوب گرامی
۴۱- تین مکتوب (اضافات مفیدہ)

☀ پرچہ معمولات

۴۲- معمولاتِ رمضان
۴۳- مکاتیب حضرت شاہ مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ
۴۴- ملفوظات
۴۵- حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کی دینی دعوت
۴۶- سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ
۴۷- سوانح حضرت مولانا محمد ہارون صاحبؒ
۴۸- تذکرۃ الخلیلؒ
۴۹- فتاویٰ خلیلیہ
۵۰- حیات خلیلؒ
۵۱- تکملہ الاعتدال فی مراتب الرجال
۵۲- انعام الباری شرح اشعار البخاری
۵۳- وصایا امام اعظم ابوحنیفہؒ
۵۴- مکتوبات شیخ الاسلام بسلسلۂ مودودیت
۵۵- حقوق الوالدین
۵۶- فضائلِ صحابہؓ
۵۷- حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ
اور تبلیغی جماعت
۵۸- سفرنامۂ افریقہ
۵۹- حضرت شیخ کی دینی فکر
۶۰- سوانح حضرت شیخ از مولانا علی میاں
۶۱- الفرقان خصوصی نمبر حضرت شیخؒ

☀ بیعت کے بعد

عربی تصانیف

نورانی قاعدہ